

TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222720

UNIVERSAL
LIBRARY

جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد حسین کفّی، چریا کوٹی، نے مرتب کیا

چوتھی جلد

جس پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی،
نے نظر ثانی فرمائی

۸۹۱۵۴۳۱

ج ۲

۱۹۳۹ء

ہندوستانی اکیڈمی، صوبہ متحدہ، آلہ آباد

جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے
مولوی محمد حسین کسٹنی، چیریا کوٹی، نے مرتب کیا

چوتھی جلد

جس پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی،
نے نظر ثانی فرمائی

۱۹۳۹ء

ہندوستانی اکیڈمی، صوبہ متحدہ، آلہ آباد

Published by
THE HINDUSTANI ACADEMY, U. P.,
ALLAHABAD

FIRST EDITION :

Price Rs. 2-0-0 (Paper)

Rs. 2-8-0 (Cloth)

Printed at
THE CITY PRESS, ALLAHABAD.

دیباچہ

”جواہر سخن“ مرتبہ مولوی محمد مبین صاحب ”کھنی“ چریاکوٹی کا یہ چوتھا حصہ ہے۔ اس حصے پر عالی جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی، صدر شعبہ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی نے نظر ثانی فرمائی۔ اس کے بعد اکھڈیمی کی جانب سے اس کی صحت و طباعت کا انتظام مہرے سپرد ہوا۔ میں نے جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کی ہدایت کے مطابق اس جلد کا مقابلہ اصل دیوانوں سے کیا۔ کئی اور قابل ذکر شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل کیا، شعرا اور کلام کی ترتیب میں ضروری تغیر کی، اور تقریباً تمام شعرا کا مختصر حال از سر نو لکھا۔ حالات اور سذین کی جانچ کر کے جہاں جہاں ضرورت تھی مآخذوں کا حوالہ بھی دے دیا۔ اب اس جلد میں کل ۲۵ شاعروں کے کلام کا انتخاب اور اُن کا مختصر حال ہے۔

متن کی تصحیح میں کبھی کبھی دقت پڑی۔ جن دیوانوں کے کئی کئی نسخے تھے اور اُن میں آپس میں اختلاف تھا، راجح کو متن میں قائم رکھ کر ہر صفحے کے نیچے اختلاف کو واضح کر دیا۔ بعض جگہ دیوانوں میں الفاظ اس قدر مسخ ہو گئے تھے کہ اُن کا پڑھنا ناممکن تھا، اُن کو اپنے قیاس سے قرائن کے مطابق پڑھ کر درست کیا اور تمیز کے لیے ایسے الفاظ کو کھنی دار خطوں [] میں رکھا ہے۔

محمد رفیع

{ ہندستانی اکھڈیمی
الہ آباد

فهرست شعرا

ردیف	نام	صفحه
۱	گویا	نواب فقیر محمد خاں
۲	قلقی	خواجہ ارشد علی
۳	شمیر	مہر مظفر حسین
۴	خلع	مہر مستحسن
۵	انہس	مہر بہر علی
۶	دیور	مہرزا سلامت علی
۷	عشق	سہد حسین مرزا
۸	مونس	مہر محمد نواب
۹	نہیس	مہر خورد شہد علی
۱۰	نور	مہر وزیر لکھنوی
۱۱	ملہر	سہد اسماعیل حسین
۱۲	صفیر	سید فرزند احمد
۱۳	قدر	سہد غلام حسین
۱۴	جوہر	لالہ مادھو رام
۱۵	کامل	سہد علی مہاں
۱۶	ذاکر	ذاکر علی
۱۷	صغیر	شاہ غلام حیدر
۱۸	ہجر	تربہون ناتھ
۱۹	چہرت	محمد جان خاں
۲۰	سلم	گوری شنکر
۲۱	جوہر	جواہر سنگھ
۲۲	طاهر	طاهر علی
۲۳	کھف	پلندت شونائے چک
۲۴	تہصر	شاہ امین الدین
۲۵	آسی	شاہ عبدالعلیم

گویا

حسام الدولہ نواب فقہر محمد خاں ”گویا“ قوم افغان (آفریدی) لکھنؤ کے امرا میں سے تھے۔ ابتدا سے شاعری کا شوق تھا۔ ناسخ کے شاگرد تھے اور خواجہ وزیر سے بھی اصلاح لیتے تھے۔ ۱۲۶۶ھ میں وفات پائی۔ انوار سہیلی کا ترجمہ ”بستان حکمت“ اور ایک دیوان ان سے یادگار ہے۔ انہوں نے اپنا دیوان ۱۲۴۲ھ میں مرتب کیا تھا جو ۱۸۸۸ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپا [۱]۔

کلام سے مشافی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آورد کے ساتھ آمد کا بھی کچھ رنگ ہے۔ اکثر اصناف میں یکساں روانی کے ساتھ لکھتے ہیں۔

غزلیات

خونِ دوڑوں چشمِ زخم سے مہں تھری یاد میں
یارب، نشانہ ہوں تری اُلفت کے تیر کا
پاپوش جس کے سر پہ دکھی بادشہ ہوا
اللہ رے، مرتبہ ترے در کے فقہر کا

کوئی مجھ سا دیوانہ پیدا نہ ہوگا ہوا بھی، تو پھر ایسا رسوا نہ ہوگا

آپ سے جب گذر گئے، پہلچے یسا د ہے راستہ ترے گھر کا

تجھ سا کوئی نہوں گلِ رعنا چمنِ روزگار کو دیکھا

نہ اے لاسکے تو مرگئے آپ: چہر اور اختیار کو دیکھا

✓ اپنی غفلت ہے عینِ مہشہاری؛ خواب مہں نے یار کو دیکھا

✓ موت آئی مگر نہ ہمار آیا : اثر انتظار کو دیکھا

نہ آئے آپ میں ہم ' ہمار پیور گویا آکر : مزاج اپنا یہ خود رفتگی پسند ہوا
شراب پی کے مہن ' اے محنت سب دعاؤں کا جو روز جمعہ درِ مہکدہ نہ بلند ہوا
اُٹھا جو بزم سے ساقی پکڑ لہا دامن مہن آج دستِ سہو کا نہا زمند ہوا

زاهد نے طوفِ حرم کا کیا ' ہندو نے بُت کو سجدہ کیا
فاکام وہ ہوں مجھ سے " گویا " یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

چشمِ جاناں کو دل زار نے سونے نہ دیا
رات بھمار کو بھمار نے سونے نہ دیا
' وصل مہن آنکھ لگی تھی کوئی دم ' اُس کے عوض
عمر بھر چرخِ جفا کار نے سونے نہ دیا

نہا جو افتادگی شعار اپنا نہ زمہن سے اُٹھا قبار اپنا
ہاتھ مہن سبکتہ تو زار رہا گردن مہن ہم سے آرزو دلِ گبر و مصلحاں نہ ہوا
' اس تمنا مہن ہم ' افسوس ' ہوئے سودائی ' تھرے ہاتھوں سے مگر چاک گریباں نہ ہوا
مرضِ عشق مرا دیکھ کے عہسی نے کہا : ہیہ وہ درد کہ جس کا کبھی درماں نہ ہوا

نہ آنے کا تیرا شکوا عبث ہے کبھی مہن آپ مہن آیا تو ہوتا
اگر آنکھیں ہمیں دی مہن خدا نے کبھی اُس بُت کو دکھایا تو ہوتا
کہتا ہے مسیح ' جن کو جاں بخشے اُن ہونٹوں نے ' آہ ' ہم کو مارا

توڑ سکتے نہیں اک تار بھی اب ضعف سے ہم
چاک کرتے تھے کبھی اپنا گریباں کھسا

✓ ناز و غمزے نے ' چشم و ابرو نے انہیں دو چار نے ہمیں مارا
دھویِ خوں بہا کریں کس سے ؟ چشمِ مہتخوار نے ہمیں مارا

ہم کو شبِ وصال میں بھی غم ہوا نصیب :
دھوکا یہی رہا کہ کہیں ہو نہ جائے صبح

اُس کے ہوں کافر و دیلدار نہ کہوں پروانے ؟
کہ چراغِ حرم و شمعِ کلہسا ہے وہ دُخ

خدا سے کم ؛ زیادہ سب سے کہے : یہی کلمہ ہے شایانِ محمد

ہر روہی ' خاک اُڑاتی ہے صبا مہرے بعد
ہو گئی اور ہی گلشن کی ہوا مہرے بعد
کیا ہی مرنے سے مرے شاد ہیں اللہ اللہ '
بُت کیا کرتے ہوں اب شکرِ خدا مہرے بعد
اُٹھ کھا صفحۂ ہستی سے نگہیں کی صورت
نہ رہا میں ' تو مرا نام رہا مہرے بعد

دعائیں مانگی ہیں مدتوں تک چھکے کے سر ' ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر '
ہوا ہوں تب میں بتوں کا بلدہ ' خدا خدا کر ' خدا خدا کر

آخر ترے فراق میں میرا ہوا وصال دیکھا نہ شامِ ہجر نے روے سحر ہلوز

کچھ نہ پوچھو ہم سے ' جو اُٹھا شکرِ رنجی میں لُطف ؟

سمجھے ہیں قلمِ مکررِ یار کی تکرار ہم

نقشِ پا کی طرح مت کر پائمال ' اب تو ' او ظالم ' متے جاتے ہیں ہم
جلد دنیا سے اُٹھا لے ' اے فلک ' چشمِ عالم سے گرے جاتے ہیں ہم
ایک خوش آنی نہیں تھرے بغیر ' لاکھ شکلوں دل کو دکھلاتے ہیں ہم
اور کچھ حاصل نہیں ' پر نام کو عاشقوں میں تھرے کھلاتے ہیں ہم

انکھ مجھ سے پھر کر کہتا ہے وہ : کودھ ایام دکھلاتے ہیں ہم
تو نے نظروں سے گرایا کیا ہمیں ' سب کی نظروں سے گرے جاتے ہیں ہم
ایسی خوش آنی ہے از خود رفتگی آپ میں برسوں نہیں آتے ہیں ہم
یہ غذا لکھی تھی کہا تقدیر میں ؟ کھوں ' فلک ' یوں تھو کریں کھاتے ہیں ہم ؟

دل ہے اُٹھلہ وہ ہے پرتو فگن : یار کو آفوش میں پاتے ہیں ہم

نسانوانی یہاں پر پرواز ہے رنگِ رُخ کے سانہ اُڑ جاتے ہیں ہم
دیکھتے اب شامِ غربت کہا دکھائے رخصت اے صبحِ وطن جاتے ہیں ہم

وہ نہ اپلا ہوگا 'گر سرِ کات کر دکھلاے کوئی'
پانو پو کر کس لئے اب درد سر پیدا کروں؟

نہ مر کے بھی تری صورت کو دیکھنے دوں گا
پتوں کا غہر کی آنکھوں میں 'وہ قہار ہوں میں

زندہ جاوید ہونے کی تمنا ہے اگر '
پہلے مرنے سے ملاوے آپ کو تو خاک میں

اپنی مڑہ پہ لختِ جگر ہوں جلہ گز: روشن چراغِ جوسے لبِ آبجو کریں

ساجو ہمیں بھول گیا ہے ظالم ' اُس کو ہم یاد کیا کرتے ہیں
ہم بلے چاند کے ہالے "گویا"
گرد اُس مہ کے رہا کرتے ہیں

وصلِ اکر ملاحظہ تھا پرویز کا گھر کھودنا
کوہ کن دیوانہ ہے شہر میں تو پتھر میں نہیں

پتہ ہے اس پہ تو زلفِ درازِ یار کا سایہ
قہامت تک شبِ فرقتِ سحر ہووے تو میں جانوں

درد پہلو میں رہا کرتا ہے 'جب سے تو نہیں'
ہجر میں بھی ایک دم خالی مرا پہلو نہیں

یہی کہ کہ کے ہجرِ یار میں فریاد کرتے ہیں
وہ بھولے ہم کو بھٹتے ہیں جلوہں ہم یاد کرتے ہیں

سمجھ کر چھوڑ 'امشاطہ' اُس کی زلفِ پُرخم کو'
نہ برہم کر 'خدا کے واسطے' اسبابِ عالم کو

چلے ہیں کوچہ جاناں میں آہِ آنشیں کرتے:
لہے جاتے ہیں اچھے سانہ جلّت میں جہنم کو

فلجہ کوئی کہتا ہے ' کوئی وہم ' دھن کو
کچھ منہ سے تو بولو کہ یہ عقدہ کہیں حل ہو

دیکھ ' اے مجذوں ' مری فریاد کی تاثیر کو
دیدہ گریہاں بلایا حلقہ زنجیر کو

یاں شکوۂ قاتل سے نہ آلودہ زبان ہو ' جو زخم لگے وہ پے شکرانہ دہاں ہو
وہ کون سی جا ہے کہ نہیں جلوہ نما تم تسہر نہیں معلوم کہ کس جاہو ' کہاں ہو

✓ کوسٹے ہو جو ہانہ اُٹھا کر تم اپنے نزدیک تو دے گا ہے یہ

کہا ہی ' نام خدا ' ہے مہرا صلح بت جسے کہتے ہیں خدا ' ہے یہ

دل بھی اُس سے اُٹھا نہیں سکتے : نائنوائی سی نائنوائی ہے !

تہجہ سے مغرور کی چھکی گردن : یہ بھی اک شان کورپائی ہے

✓ آپ کو جانتا ہے اُنہلہ : صاف یہ اُس کی خود نمائی ہے

حُسن نے ملکِ دل کہا تاراج ' حضرت عشق کی دُھائی ہے

آلفت یہ چھپائیں ہم کسی کی : دل سے بھی کہیں نہ اپنے جی کی

تھکرا کے چلے جہوں کو مہری : قسمت کے لکھ نے یاروی کی

جو پنہاں تھا وہی ہر سو عیاں ہے یہ کہہ لیں ترانی اب کہاں ہے ؟

حسرت دیدار نے مجھ کو کہا یہ بھٹواس :

جستجو تہری رہی گو تو نظر آیا مجھ

✓ اُتہ کے اُس پہلو میں تو بھٹھا تو ' فرط شوق سے '

دل بھی اِس پہلو سے اُس پہلو نظر آیا مجھ

بعد مرنے کے گریبانِ کفن ثابت رہا

ہانہ اپنا آج بے قابو نظر آیا مجھ

✓ یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے ؟ کہ دستِ دعا آج دستِ سہو ہے

✓ گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا : نہ تہری سی رنگت نہ تہری سی بو ہے

✓ نہ ہوا کوئی مجھ سا مہو تصور : جسے دیکھتا ہوں ' سمجھتا ہوں تو ہے

انہ ہو وصل تو رات دن ہے برابر ؛ سحر کی ، نہ کچھ شام کی ، آرزو ہے
کسی گل کے کوچے سے گزری ہے شاید ؛ صبا ، آج جو تجھ میں پھولوں کی بو ہے

تم وفا کا عوض جفا سمجھ اے بتو ، تم سے بس خدا سمجھ
دوڑے کھا ہو کے خوش سوے مقتل : اُس کے ہم گھر کا راستا سمجھ
جو ہے بھگانہ ، آشنا ہے وہ : ہم جو کہتے ہیں ، کوئی کھا سمجھ ؟

کہو اُس برق و ہنس سے آج لازم سا نہ جانا ہے ؛
جلازے پر ہمارے ابر رحمت شامیانا ہے
گریہاں پہاڑ کر دست چلوں سے ہوگی کب فرصت ؛
ابھی تو دامنِ مصرا کے بھی پرزے آنا ہے

ہوں میں وہ بابل کہ مثلِ طائر قبلہ نما
ملہ نفس میں بھی نہ پھرا خانہ صہاد سے
عاشق کی آہ جائے گی اب مرش کے درے ؛ زلفِ دراز بڑھ گئی قدِ بلند سے
ہے آہِ بیکسار کی رسائی ، خدا ناک چوہ جائے فلک پہ ، دلا ، اُس کلمہ سے

مآلِ عاشق و معشوق ہے ایک : سنا ہے شمع سوزاں کی زبانی
نہیں بچتا ہے ہمارِ مصیبت ؛
سنا ہے ہم نے ”گوپا“ کی زبانی

دم آیا مہری آنکھوں میں ، نہ آئے تم ، نہ آئے تم
اجل بہر ہے اِس ہر روز کی اُمداداری سے

مرے گھر سے چلا وقتِ سحر جب وہ بُتِ کافر
خدا کو بھی نہ سونہاموں نے ، یال تک بدگمانی ہے

ہمیں اِس قیدِ الم سے تو رہائی ہوتی : شبِ ہجران کے عوض موت ہی آتی ہوتی
بھدا ، آتی اگر بلدہ نوازی تم کو ؛ اے بتو ، گھر میں تمہارے ہی خدائی ہوتی
وہ دکھائی قیامت وعدہ دیدار نے : رات دن ہے انتظارِ آمدِ معشر مجھ

خاک میں جو ملا دیا مجھ کو : آسمان نے زمیں کو سونپا ہے
 کہ رہے ہیں شبِ فراق میں ہم : آج کس کو اُمید فردا ہے ؟

مطرب نے ہجرِ یار میں چھوڑا اُسے اگر آوازِ گریہ اُٹھے گی پھر تارِ چنگ سے
 مر گئے ہم ، تو صبا لائی جوابِ نامہ وہ ہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے

نہ آسمان کے ہوئے اور نہ ہم زمیں کے ہوئے
 جو تیرے دل سے گدے ہم نہ پھر کہیں کے ہوئے
 پھر کہوں چھپ چھپ کے ہم جانے لگے : لوگ پھر آ آ کے سمجھانے لگے

دل سے داغِ عشق پیرِ مہن مٹایا چاہوے :
 صبح ہو ، تو شمعِ روشن کو بجھایا چاہوے

ہیں سبکدوش ، سدا قیدِ الم سے آزاد : کب گرفتارِ قفس ، مرغِ نظر ہوتا ہے ؟

لگا کر دل بُتِ نا آشنا سے عیثِ ہم پھر کئے اپنے خدا سے
 مسلمان بھی کریں سجدے بتوں کو دعا مانگی تو یہ مانگی خدا سے

ہوں وہ مجرم ، کانٹتا ہے خوف سے سارا بدن
 ہاتھ اُٹھاتے شرمِ آنی ہے دعا کے واسطے

قصائد

حضرت علی کی منقبت میں

ریاضِ دہر میں ہے بعدِ رنج ، راحت بھی
 کہ پہول کھلتے ہوں ، ہوتا ہے جب گلابِ قلم
 یہی اشارہ ہے اب چشمِ مستِ ساقی کا
 کہ وصفِ کشتی سے میں چلے شتابِ قلم
 ہر دوس فکر اُٹھادے اب اپنے منہ سے نقاب
 ہوا نکل کے قلمِ دہاں سے بے حجابِ قلم

اگر لکھیں ترے دریائے فیض کی تعریف
رواں ہو صفحے پہ مانند موج آبِ قلم
شہا، یہ تیری عدالت کا گدرد ہے بازار
کدہی ہوا نہ سرِ شمع مہتابِ قلم

نصیر الدین حیدر بادشاہ کی مدح میں

برنگِ گل جسے اب دیکھو وہ خنداں ہے
بہارِ عیش سے ہندوستان گلستاں ہے
بدلیا ملک کو گلشنِ بہار نے ایسا
کہ شوقِ سحر میں سروِ چمن خراماں ہے
بہارِ باغ میں کھا کھا کھا رہی ہے گل
شگفتہ گلچہ ملقارِ غلغلہاں ہے
چمن میں کھچے اشارہ جو سروِ نخلِ حنا
تو ساتھ اشارے کے انگلی برنگِ مرجاں ہے
ریاضِ دہر میں پھرے تو سائے کی صورت
مردادِ دل عقبِ آرزو شعاباں ہے
چمن میں ہلت جو کھچے تو ملم سے پھول جھڑیں
اب ان دنوں میں یہ فیضِ بہارِ بستاں ہے
زمین پہ دانہ جو پھیلا تو گر کے نخلِ ہوا
نمو کی سعی سے صہادِ سخت حیراں ہے
گرا زمین پہ اڈر کوئی موٹہ کا پھول
صفا سے گوہرِ غلطان کی طرح غلطان ہے
کہیں ہے آٹے سے صاف تو زمین چمن
کہ اُس سے سہوۂ فارستہ نک نمایاں ہے
نہالِ گلشن تصویرِ بھی ٹمرا لائیں
بہار کا چمن دہر میں یہ فرماں ہے
ہے شوقِ گل میں عجب رنگِ آج گلچہں کا
جو دیکھو تو گریہاں بھی شکلِ داماں ہے

غازی الدین حیدر بادشاہ کی مدح میں

خہال نرکس مہکوں جو تھا دم تحریر ،
 ہوئی ہے قلقل مہلے مے ، قام کی سریر
 وہ مست ہوں کہ مری خاک کا ہے مے سے خمیر
 پلایا ہے مجھے طفلی میں دخت رز نے شہر
 خہال سجدل خط مہں چلوں جو مہں وحشی
 قلم کی طرح ، مرے نقش پیا بلوں زنجیر
 زباں سے گو نہ کہا حال ناتوانی کا
 شکست رنگ سے کرتا رہا ہوں مہں تقریر
 فسادگی مری ملاحظہ کلک قدرت تھی
 جہن نقہں قدم پر لکھا خط تقدیر
 وہ شوخ طفلی مہں کرتا تھا مشق بہتیاں کی
 سریر کلک پہ رکھتا تھا تہمت تقریر
 نظر پڑی ترے بسمل کی جب سے بدعتابی
 مژہ کی شکل ہے جلیش میں جوہر شمشیر
 فلک نے پار ہوئی اپنی آہ نیم شبی
 ہمارے تھہر سے صیاد ہوگیا نکتچیر
 رقیب دیکھ کے کتے مہں اس لہے ہم کو
 کہ آب تیغ سے اپنی ہوئی ہے خاک ، خمیر
 مرے سبب سے جلوں کا ہے سلسلہ باقی
 قدم سے ہے مرے آباد ، کوچہ زنجیر

یہ ہے ترے در درلت کی خاک کی تاثیر
 کہ جس فقیر کو دیکھو ہے صاحب اکسیر
 لکھے گا ملشی گردوں کچھ اپلا حال تجھ
 ترا وہ رتبہ ہے ، اے آفتاب عالمگیر

اتھاؤں بھر دعا مانہ اپنے اے مولا ،
 کہ تو ہے شاہ زمن ، مہں ہوں تیرے در کا فقیر

آلهی تا رہے قائم یہ آسمان و زمیں
 آلهی تا کہ رہے آفتاب و ماہِ ملیح
 فلک پہ تا رہیں اختر ' زمیں پہ آدم زاد
 آلهی تا کہ رہے برق و وعد و ابرِ مطہر
 مژہ کو تھر کھیں اور کمان ابرو کو
 ہمیشہ یار کی زلفوں کو تا لکھوں زنجہر
 نگاہ یار ہو یارب ' بلاے جاں جب تک
 سروک چشمِ پری تا ہو سرمہٗ مستغیر
 کمان چرخ ' ترے دوست کی ہو حلقہٗ بگوش
 ترے عدو کو لگائے شہابِ ثاقب تھر
 الہی شرق سے تا غرب نیرا حکم رہے
 کہا کریں تجھے سب آفتابِ عالمگیر

تری بہارِ کرم کا ہے فوضِ عالم پر
 کہ پھل تو رکھتی ہے تلوار اور پھول سپر
 ہر ایک فیض سے تھرے ہے زندہٗ جاوید
 یہ کہا ہے دخل کوئی ہو یتیم جز گور
 تقدیر ' در پہ ترے جو گیا ہلا وہ غلی
 کہ تھری خاک قدم میں ہے کھڑا کا تر
 نسیم صبح کو گر حکم ہو حفاظت کا
 نہ چاک ہووے گریبانِ فلجہٗ بار دگر

ترے سحابِ کرم کا جو دشتِ میں ہو گذار
 تو شاخوں آہروں کی سبز ہو کے لائیں بار
 زمیں پہ ہاتھ جو تو دھوے ' اے سحابِ کرم
 تو آب ' خاک کو کر دے طلایے دستِ افشار
 جہان و اہل جہاں ' تھرے زیرِ دست میں سب
 زمیں پہ دستِ ستارے ترا ہے ابرِ بہار
 ہے ایک آئندہ ہر دار تھرا اسکند
 مثالِ قہصر و خاقان میں تھرے خدمتگار
 جو بیٹھے تخت پہ تو سب کھوں سلیمان
 ہوں دستِ بستہ کھڑے انس و جنِ یمن و یسار
 اگر ہلندی اقبال کا نظارہ کرے
 سرِ فلک سے گزرے آفتاب کی دستار

سلام

کہا حضرت نے پانی فوج کو میری نہ دیں ظالم
یہ پھاسے وہ ہیں جو پھٹے ہیں آبِ تیغ و خنجر کو
فرشتوں نے کہا شبیر کا سر دیکھ نہڑے پر
شہیدوں کا کیا سردار، حق نے ابنِ حیدر کو

سمجھ کے پانی بلکتا تھا اصغر بے شہر
پیدادہ لے گئے تا شام اُس کو کر کے اسیر
شقی یہ کہتے تھے بیدل ہی لے چلیں گے ہم
دل تکرے ہوا، یاد مجھے آگئے عابد
نہڑوں میں گہرا دیکھ کے اکبر کو شہ دیں
فرمانے لگے: شیرِ نوسنِ نظر آیا
جب تھر کہا کے اصغر بے شہر مر گیا،
یا شاہ دیں، بتاؤ مرا لال کیا ہوا؟
گودی کو خالی دیکھ کے بانو نے یہ کہا:
اصغر کو لاؤ، خالقِ اکبر کے واسطے
رتبہ نہ کیوں بلند ہو میرے سلام کا
ہانف نے کی ندا کہ سختی کا ہے سرِ بلند
ہوں مجبوری حسین علیہ السلام کا
نہڑے کی نوک پر جو چڑھا سرِ امام کا

منتہس

بغیر خوابِ عدم، شاہ نے نہ خواب کیا،
کلا نکتا دیا، ہرگز نہ اضطراب کیا؛
سوائے آبِ دم تیغ، ترکِ آب کیا
سلام اُس پہ جسے حق نے کامیاب کیا
جہاں مہن شاہ شہیداں، عطا خطاب کیا

فراق

آفتاب الدولہ خواجہ ارشد علی [۱] خاں ”فراق“ خواجہ بہادر حسین ”فراق“ کے بھتیجے، لکھنؤ کے رہائے والے خواجہ وزیر کے بھائی اور شاگرد تھے [۲]۔ ہر صبح تک واجد علی شاہ کے مصاحب خاص رہے۔ جب وہ لکھنؤ سے کلکتہ آئے تو ”فراق“ بھی ان کے ساتھ تھے۔ ان کی مثنوی ”طلمس الوقت“ مشہور ہے۔ دیوان ”مظہر عشق“ کے نام سے مطبع نولکشور کانپور (۱۳۲۹ھ) میں چھپ گیا ہے، جو تمام اصناف سخن پر حاوی ہے۔ [۲۸۱ھ کے بعد وفات پائی۔

فزل میں خراجہ وزیر سے علیحدہ آمد کی شان دکھتے ہیں، جدات کی طرح معاملہ بلندی کی جھلک موجود ہے، زبان کی سلاست کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ فزل کی طرح اور اصناف میں بھی ان کا رنگ یکساں ہے۔

غزلیات

صدائے آہ ہے مضراب غم کی چھوڑ سے پیدا
دل نالیں نہا پردہ ہے قانون معصیت کا
کہا ہے آبشاری سوشک غم سے مٹنے میں
مرے گلشن میں لالہ نام ہے داغ معصیت کا

[۱]—سخن شعرا میں خواجہ اسد اللہ نام لکھا ہے، لیکن یہ غلط ہے۔

[۲]—سخن شعرا و تاریخ ادب اردو ج ۱، ص ۳۰۶۔

تھا قصد قتلِ غور ، مگر میں طلبِ ہوا :
 جلاّد مہربان ہوا ، کیا سبب ہوا ؟
 روتے تھے غزل و ہوش ہی کو ہم تو عشقِ میں
 لو اب تو دل سے صبر بھی رخصت طلب ہوا

یامال ہوں گے یار کی رفتارِ ناز سے _____ مضمون کھلا یہ آج خطِ سرِ نوشت کا
 یہ متحدہ بوختِ ردی دلِ ذی ہوش ہو گیا : _____ دونوں جہاں کا لطف ، فراموش ہو گیا

اُٹھایا جب دوئی کا اتحادِ عشق نے پردہ
 تو عالمِ چشمِ مجنوں میں ہوا لیلیٰ کے محکم کا
 اظہارِ عشق ، رنگِ رخِ زرد نے کیا _____ بلندے یہ اتہام ہے افشائے راز کا
 ہوئی قضاے عمری ، ادا ، اپنی زیرِ تیغ _____ آیا ہے آج وقتِ ہماری نماز کا

مردہ ، اے دل ، کہ بس اپنی اجل آ پہنچتی
 حسرت ، اے جان ، کہ ہم سے درِ جانناں چھوٹا

چوم لیں نہٹے میں آج اُن کی نشیلی آنکھیں
 عہن بے ہوشی لذتِ میں بھی ہشوار رہا

ادا سے دیکھ لو جانا رہے کلمہ دل کا _____ بس اک نگاہ پہ تھہرا ہے فوصلہ دل کا
 آہی خہر ہو کچھ آج رنگِ بوہدِ سبب ہے _____ تھوک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا
 پھرا چرکوچہ قاتل سے کوئی پوچھیں گے _____ سنا ہے لت کھا رستم میں قافلہ دل کا
 وہ ظالم کرتے ہیں ہم پرتو لوگ کہتے ہیں _____ خدا برے سے نہ ڈالے معاملہ دل کا
 ہزار فصلِ کل آئے جنوں ، وہ جوشِ کہاں ؟ _____ کھا شباب کے ہمراہ ولولہ دل کا
 پوچھا صبا سے اس نے پتا کوئے یار کا _____ دیکھو ، ذرا شعور ہمارے غبار کا !

دور آخر میں مجھے جامِ دیا ، اے ساقی ،
 بارے صد شکر کہ اب بھی میں تجھے یاد آیا
 سچ تو ہے حضرتِ انساں ہے عجب خود مطلب
 جب دیے رنجِ بُتوں نے تو خدا یاد آیا

چار دن باہل بے کس نہ رہی بے کہنکے
کبھی گل چوں جو گھا باغ سے صہاد آیا

کسی نے بعد ہمارے نہ بادِ خوار کی _____ قہار دند رہے ' مہمکہ خراب رہا
دم کی آمد شد نے وقت نزع یہ دعو کا دیا :
طائر جاں پر ' کمان نامہ بر ہونے لگا

بہجا نہوں ہے گریۂ شلم دم سحر _____ لبریز ہو چکا ہے پھالا گلاب کا
پہری ' جگر سے داغِ معصیت مٹانے کی _____ آیا قریب وقت غروب آفتاب کا
ہم نے احسان اسدوی کا نہ برہاد کہا _____ مرتے دم ملے طرفِ خانۂ صہاد کہا
کہا تری یاد کریں گے ' فلک نا انصاف ' _____ دلِ ناشاد ہمارا نہ کبھی شاد کہا
کفر و اسلام کے جھگڑوں سے چھوڑا ' صد شکر ! _____ قہد مذہب سے جڑوں نے مجھ آزاد کہا

صاف لکھ بہجا جواب اُس نے مری تحریر کا
لو لفافہ کھل گھا سارا خط تہـدیر کا

جان بچ جائے جو دیدار دکھا دے اپنا _____ چشم بھمار سے سائل ہوں ' مسدھائی کا
اپے بھمارِ معصیت کا کیا خوب علاج _____ اسی ملے پر تمہیں دعویٰ ہے مسدھائی کا
ملزل شوق میں گھا عشق نے کی راہزنی _____ قافلہ لوت لیا صبر و شکوبانی کا
کہا کہا نہ اپے عشق پہ ہم کو غرور تھا _____ ہمت کا زاہدوں کی سراسر قصور تھا
لاکھ دل عشق میں ساقی کے سلجھالا لہکن _____ نشنۂ بادۂ اُلفت نے سلجھائے نہ دیا

ہاں عشق مجازی میں حقیقت پہ نظر ہے
بت پوجتے ہیں کوئی پرستارِ معصیت ؟

✓ کر دیا دل نے ہمیں مَرورِ الزامِ عبت _____ وہ ہمارے نہ ہوئے ہم ہوئے بدنام عبت

بے سبب یہ نہیں سرگوشیِ اربابِ فساد
عشق صادق کا مرنے فاش ہوا راز کچھ آج

دو روزہ عمر، قدس میں کتنی کہ ٹلشن میں
 ہر ایک طرح سے ہوجائے کی بسر، صہاد

ہے زامدوں کو مؤد عبادت کی چشم داشت،
 مہری نظر ہے اُس کی کرم کی نگاہ پر

اِن واعظوں کی ضد سے ہم اب کی بہار میں
 توڑیں گے توبہ پھر مغال کی دکان پر

سارے ابر دند پیوستہ نہیں، واعظو، شراب
 کرتے ہیں یہ گناہ بھی رحمت کے زور پر

✓ حسرتِ قتل میں موتا ہوں تامل کیا ہے
 بے گناہی یہ نظر کچھ مری، جلاہ، نہ کر

واعظ، ہے اِن میں صاحب کفایت ایک ایک
 کیا پوچھتا ہے حال مریدان مہفروش؟

اے دل، کہاں سے لائے گی ایسا بھار کا رنگ بابل، ہزار اُڑائے مری داستاں کا رنگ

نری بلندگی اور سیمہ کار مجھ سا! یہ سر اور ترے آستانے کے قابل!

آکے ہستی میں عدم سے کرچلے کہا کام ہم اپنے ذمے لے چلے اک مفت کا الزام ہم

ابتدائے محبتِ دل کی یہ نہ تھی ہم کو انتہا معلوم

نگاہِ پاک سے روئے نگار دیکھتے ہیں بتوں میں قدرت پروردگار دیکھتے ہیں

قائل، ہمارا جہتے جی ہوتا نہ فاصلہ پڑتی نہ تھری تیغ اگر درمیان میں

وہ سے پرست ہوں میں جہان خراب میں دیتا ہوں نقد ہوش، بہائے شراب میں

اعجاز ہے کہ سحر ہے چشم سیاہ میں
 سو سو مزے ہیں یار کی اک اک نگاہ میں

لکھی تھی کس مزے کی فقہری نصیب میں
 بستر لگائے بوٹھے میں گڑے حبیب میں

تہوڑا اگر وہ نہ تجھے خوب و زشت میں آنے جمال یار، نظر سنگ و خشت میں
 حوروں سے بھی ترا ہی پتہ پوچھتے پھرے اے کوئے یار، تجھ کو نہ بھولے بہشت میں
 حوروں کا ہو گہا ہے تماشا ترا شہود مہلا نکا ہوا ہے ریاض بہشت میں

تو ہی مخلص ہو کچھ اے موسمِ بھری لہ نوجوانی کے مزے یاد کروں یا نہ کروں
 دل جلانے کو مرا تہمتی ہوا انہیں بڑھ کھیں سے کی دکانیں تو گھٹائیں انہیں

دیر و حرم میں سروہ جھکائیں محال ہے جو سجدے کرنے والے ترے آستان کے ہیں
 پرچھو نہ کچھ خرابہ نشیدلوں کا حال زار ہم خاک میں ملائے ہوئے آسمان کے ہیں

بہارِ عہس ہوتی ہے خزاں، پوری ہے آنے کو؛
 جوانی روٹھی جاتی ہے، کہیں کس سے ملنے کو؟
 مری بے خان و مائی کچھ نہ پوچھو، میں وہ بلبل ہوں
 جگر دل میں گلوں کے دھونڈتا ہوں اُشہانے کو

کہ دوں ابھی، معاف جو میرا قصور ہو؛ کہئے کو آدمی ہو، مگر رشک حور ہو
 جان دینے میں تو، اے ہملفسو، باک نہیں پاسِ انسا ہے کہ رسوائی صہاد نہ ہو
 لائی تو ہے آزا کے صہا کوئے یار سے دہرے نہ مہری خاک کی مٹی خراب ہو

کہتے ہیں طالبِ دید، 'ایک نظر دیکھیں تو'
 ترچھی نظروں ہی سے دیکھیں وہ ادھر دیکھیں تو

گہر دل میں کر کے سہر دلِ داغدار دیکھ؛ اے جان، خانہ باغ کی آکر بہار دیکھ
 ہے نورِ حسن، مانع دیدار روئے یار آنکھیں پیکر رہی ہیں: اے بار بار دیکھ

جان بھچھوں، نہوں پاتے ہیں خریدار ایسا
 سر بکف پھرتے ہیں، ملتا نہیں جلا کوئی

لے کھا عشقِ بے ان پھیر کے، واعظ، سوئے دیر
 طرفِ کعبہ جو، اے قبلۂ حاجات، چلے

پروانہ بن کے صدقے ہو روئے نگار کے کہ دو یہ شمع سے سر محفل بکار کے

پہلو میں مجھ حویں کے تھکتا ہے رات دن

یارب ' یہ دل ہے یا کوئی پھوڑا بغل میں ہے ؟

چشم باطن ' اگر اعجاز تصور سے کہلے ' بند آنکھیں دھیں اور اُن کا نظارا کیجے

یمانہ اِن کا بھمانہ ہے ' بھمانہ یمانہ ہے ؛ خدائی سے نرالا اِن بتوں کا کارخانہ ہے

طلسم نوجوانی تھا عجب اک وقت ' او پہری

زمانہ خود فراموشی کا اپنی یاد کیا کیجے ؟

اُتھ کے اِس کوچے سے ' جا کر کہیں ہم کیا کرتے ؟

ہر ترا ہوتے ہوئے طوف حرم کیا کرتے ؟

جانتے تھے کہ سلامت نہ پھرے گا قاصد

خط میں تاکہد جواب اُن کو رقم کیا کرتے ؟

سراے دھر یہ دم لہلہے کا مقام نہیں قدم کے قافلے والو ' قدم ہڑمائیے ہوئے !

" قلاق " یہ قول بزرگوں کا راستہ واللہ نہ آزمائو اُنہیں جو ہیں آزمائے ہوئے

کس چہن سے گزرتی ہے دندان مست کی ؛ سوتے ہیں خشت خم کو سرہانے دھرے ہوئے

واعظ کی ضد سے رندوں نے دسم جدید کی یعنی مہ صہام کی پہلی کو مہد کی

جذبت وصال یار ہے ' دوزخ فراق یار عاشق کو کیا فرض ہے نعيم و جھیم سے

آثار دھائی ہیں یہ دل ہول دھا ہے صہاد ستمگر مرے پر کھول دھا ہے

وہ ہم اسور قفس ہیں کہ مرے چھو تھیں گے ہمیں ہے ایک ' خزاں آئے یا بہار آئے

قصائد

واجد علی شاہ کی مدح میں

زبس ہے جوش یہ اِن روزوں خون رنگ بہار

تڑپتی ہے رگِ گل مثل نبض عاشق زار

بلے ہیں صاف ہم آواز گلو خاں عاشق
 شکست رنگ کی آواز ہے قرانہ یار
 ہزار شکر کہ پھولوں سے آشیاں چھایا
 بہت دنوں میں ہر آئی مراد بلبل زار
 پڑے جو رنگ گل تر کا عکس دریا میں
 صدف میں دانہ مرجاں بلے درِ شہوار
 دکھا رہی ہے یہ وحدت میں کثرت آج بہار
 ریاض دعر میں ایک ایک گل بجا گوار
 رواں ہے آب گہر میں فتیر کی کشتی
 سحاب چود و سخا اس قدر ہے گورہار
 چمن چمن ہے زبس بارش ستحاب کرم
 بلے ہیں گوہر خورش آب دانہ ہائے انوار
 وہ نور کے ہیں معانی وہ نور کے مضمون
 ہر ایک مطلع عالی ہے مطلع انوار

باغیاں سمجھ فلک سے کوئی تارا توڑا
 ثوت کر کوئی زمیں پر جو گرا برگ سمن
 چھپ گیا چاندنی کا پھول جو پتوں میں کوئی
 شبہہ کلچھوں کو ہوا صاف کہ ہے چاند کہن
 جوش گل ہے یہ چمن میں خس و خاشاک ہیں کم
 آشیاں پھولوں سے چھپاتا ہے ہر اک مرغ چمن
 یہ ہوا چلتی ہے جان بخش عجب کہا ہے اگر
 مرغ تصویر بھی درواز کرے سوے چمن

مطلع

رخ پُر نور پہ مندیل کا دیکھو جوبن
 آسمانی اگر اطلس ہے تو سورج کی کرن
 قطع ہو پتہ کے پے جامہ حریر شعلہ
 شمع قامت کو ہو درکار اگر پھراہن

شمع، فانوس سے جس طرح نظر آتی ہے
یوں عیاں ہوتی ہے پوشاک سے تلویر بدن
حُسنِ گلگونِ صبا دم کی لکھوں کیا تعریف
حور کا مکھڑا ہے کلدے میں ہے طاؤسِ چمن
دمِ گلگشتِ ارادہ جو ہو تھکانے کا
صفتِ ہویے گل اُز جائے وہ دیوارِ چمن
وہ پری، زیبِ کمر دھنتی ہے ہر دم تلوار
تہنغِ ابرو سے کہیں اُس پہ سوا ہے جوین

پلا دے ساقي مہوہں مجھے شرابِ طہور
کہ لب پہ جام کے ہے ”اِنَّ دينا لغفور“
جھکا دے گردن مہنا برونکِ شیشہ سے
دکھا دے جلوۂ مہتاب اُتھاکے جامِ بلور
کرم سے شہ کے کُدا بھی ہے شاہ کھلانا
کہ پنانو توڑ کے بیٹھا تو ہو گیا تیسر

سواری کی تعریف میں

اُتھاؤں عنانِ کمیتِ قلم
دکھاؤں سواریِ شہ کا حشم
سوے کربلا جب سواری چلی
گلستانِ کو بادِ بہاری چلی
چلا جب ہوادارِ مثلِ نسیم
گلِ باغِ جنت کی پھیلی شمیم
معطرِ دماغِ ہوا ہو گیا
شگفتہ دل مدعا ہو گیا

عید کی تہنیت میں

خدیو جہاں، شاہِ عالم پناہ
نریا وقار و فلکِ بارگاہ
بہارِ گلستانِ ہندوستان
جہاں پرورِ جانِ ہندوستان
مہِ بوجِ شوکتِ درِ درجِ جاہ
گلِ باغِ اقبالِ خاقانِ کلاہ
فریدوں وقار و سلیمانِ حشم
ہمایوں سہر، فخرِ دارا و جم
درِ بصرِ بخشش، یمِ عدل و داد
خدا ترس، راحتِ رسان، خوشِ نہاد
حسن و متھن و ذہین و ذکی
خلیق و سخیِ عابد و متقی
”قلق“ تو کہاں مدحِ سلطانِ کہاں
بس اب روک لے اپنے دست و زبان
اُتھا کر سوے قبلہ دستِ دعا
خداوندِ عالم سے کر العجا

فلک پر درخشاں ہیں تامہر و ماہ زمیں پر ہیں ناچشمہ و بہر و چاہ
جہاں ہووے اور یہ جہاندار ہو خدا اِس کا یار و مددگار ہو
یہ سلطان عالم سلامت رہے
سلامت رہے ہا کرامت رہے

رباعی

یا رب، تیری وہ فیض دساں ہے درگاہ پھرتا نہیں معروم کوئی حاجت خواہ
فہروں سے کروں سوال تیرے ہوتے لا حول و لا قوۃ إلا باللہ

ضمیمہ

مہر مظفر حسین ”ضمیمہ“ ینگھور‘ ضلع گڑگاواں کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد مہر قادر حسین [۱]، نواب آصف الدولہ کے خواجہ سرا میاں الماس کے ملازم تھے۔ نواب آصف الدولہ نے جب فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ آباد کیا تو مہر قادر حسین بھی مع اپنے صاحبزادے مہر ضمیمہ کے لکھنؤ چلے آئے۔ مہر ضمیمہ ”مصطفیٰ“ کے شاگرد تھے [۲]۔ تھوڑے دنوں میں کافی شہرت حاصل کر لی اور مرثیہ گوئی سے زیادہ مرثیہ خوانی میں مشہور ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ اُردو میں رزمیہ شاعری اور سراپا کے موجد ہیں۔ رزمیہ شاعری کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے ان کے مرثی میں موجود ہیں۔ مرثی کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

مرثی

صبح کا سماں

نکلا جو سر مہر گریبانِ سحر سے انجم کے گہر گر گئے دامنِ سحر سے
مہتاب کا رنگ آرزو کیا دامنِ سحر سے روشن ہوا صبحِ رخ تابانِ سحر سے
جو وادیِ ایمن میں ہوا طور کا عالم
وہ خیمہٴ شہور میں تھا نور کا عالم

وہ نور کا توکا اُدھر اور صبح کا عالم گہٹنا مہ و انجم کی تجلی کا وہ کم کم
آنی تھی صدائے دہلِ صبح بھی پڑھم چلتی تھی نسیمِ سحری دشت میں تھم تھم
کرنا تھا چراغِ سحری عزمِ سفر کا
اور شورِ درختوں پہ وہ مرفانِ سحر کا

[۱]—سفنِ شعرا میں میر قادر علی نام لکھا ہے۔

[۲]—تاریخِ ادبِ اُردو ج ۱ ص ۱۲۱۔

کہتا تھا کوئی جلد سکہلے کو جگاؤ اور ہابد بیمار کے شانے کو ہلاؤ
 ھے غم سے بڑی خاک پہ بانو کو جگاؤ ہاں بھڑو، اب رخصت شہر کو آؤ
 حضرت کی سواری در خیمہ پہ کھڑی ھے
 ہشمار دھو رات تو کُل چار گھڑی ھے

حضرت مسلم کوٹے میں

شام کو داخل مسجد ہوئے وہ لوگ تمام وقت مغرب کے کیا حضرت مسلم کو امام
 پھیرا مسلم نے جونہی بعد تشہد کے سلام پھر کے دیکھا تو وہیں نو شخص کل اعلیٰ اسلام
 نکلے مسجد سے تو کیا کیا انہوں وسواس نہ تھا
 نو رٹھتوں کو بھی دیکھا تو کوئی پاس نہ تھا
 اِس طرح لشکر مسلم جو پراگندہ ہوا حاکم کوٹہ نے پھیری یہ ملائی اُس جا
 گھر میں مسلم کو اگر کوئی جگہ دیوے گا صاحب خانہ ھے رہ مورد آفات و بلا [۱]
 ناکے روکے کٹے اور راہ گذر بلند ہوئے
 شہر میں مسلم مظلوم نظر بلند ہوئے
 تب کہا حضرت مسلم نے کہ اب جاؤں کہاں راہ، کیا خبر یہ مسجد ھے حقہ مہماں
 بہو کے پیوے شب تاریک میں تھے سرگرداں نا درخانہ طوعہ جونہی پہنچے گردیاں
 اُس ضعیفہ کو یہ دیکھا کہ دعا کرتی ھے
 در یہ بیٹھی ہوئی کچھ ذکر خدا کرتی ھے
 براے مسلم کہ بہت پیاس سے میں ہوں بیتاب [۲] پانی دنیا میں پیاسے کو پلانا ھے ثواب
 شہر کا حال دگرگوں جرتھا [۳] اُتھر وہ شتاب آب شہر [۴] سے بد معجل بھواسا غراب
 درتے درتے جو حوالے قدح آب کیا
 طوعہ نے طوعاً و کرہاً انہیں سیراب کیا
 تھک کے بیٹھے وہیں مسلم اُسی دیوار تلے کہا طوعہ نے کہ اُتھجا مرے دروازے سے
 ھے بہت شہر پُر آشوب یہی قدر ھے مجھے رو کے اُس پھر ضعیفہ سے کہا مسلم نے

[۱]— نل یعنی نورلکھنوی نسخہ (صاحب خانہ وہ ہووے گا گرتار بلا) -

[۲]— نل (اُس سے مسلم نے کہا پیاس سے ہوں میرے بیتاب) -

[۳]— نل (تھا پد) - [۴]— نل (مورد پانی) -

آج کی رات جو گھر میں مجھے [۱] مہمان کرے

یہ یقین ہے کہ محمد یہ وہ احسان کرے

کہا طوعہ نے کہ تو کون ہے اے مرد خدا کہا مسلم نے کہ شیوہر ہے بھائی مہرا
مجھ کو سب کہتے ہیں مسلم ہے علی مہرا چچا بہ نہایت تھا مجھے ابن علی [۲] نے بھوجا

کوئی دے گھر میں جگہ اس کا فقط طالب ہوں

میں ہی فرزند عقیل ابن ابی طالب ہوں

گریختی پانچ پہ طوعہ جو سنی یہ [۳] کُفتار اور لگی کہلے کہ شہزادۂ عالم یہ [۴] نثار
تہرا دیدار ہے ' فرزند نبی کا دیدار روزِ بگتے پرتے ' لونڈی کا فدا ہے گھر بار

جان اپنی ترے قدموں پہ میں قربان کروں

شوق سے آ مرے گھر میں تجھے مہمان کروں

[۱]۔ نل (مجھے گھر میں جو) - [۲]۔ نل (ہے مجھے سہما نپس) -

[۳]۔ نل (یہا سنی جب) - [۴]۔ نل (کے) -

خلیق

مہر مستحسن ”خلیق“ مہر حسن صاحبِ مثنوی ”بدر ملہر“ کے چہوتے
 بیٹے، دہلی کے رہنے والے مہر مسہر کے مدعصر تھے۔ تعلیم و تربیت فاضل آباد
 اور لکھنؤ میں ہوئی۔ شوخ غلام ہمدانی ”مصطفیٰ“ سے مشورۃ سخن کرتے
 تھے [۱]۔ ۱۲۶۰ھ میں وفات پائی [۲]۔

کلام میں دوانی کی شان، زبان کی حلاوت، مصداکات کی بلندی، طرزِ بہان
 میں دل نشینی سب کچھ ہے۔ سب سے زیادہ یہ کہ انہوں نے مہر ”انہس“
 کے لئے ایسا مہدان تیار کر دیا کہ اُس میں اِن کا کوئی بھی مقابل نظر
 نہیں آتا۔

مراثی

امام حسین کا سفر

گھر سے جب بھر سفر سہد عالم نکلے سر جھکائے ہوئے ہا دیدۂ پرزم نکلے
 خویہیں و فرزند کمر باندہ کے باہم نکلے روکے فرمایا کہ اِس شہر سے اب ہم نکلے
 رات سے گریۂ زہرا کی صدا آتی ہے
 دیکھو قسمت ہمیں کس دشت میں لے جاتی ہے
 یہ بہان کر کے چلے واں سے شہ کون و مکمل بے کسی چہرے پہ چھائی تھی تو آنسو تھے رواں
 لوگ سر پھٹ کے اُس دم ہوئے ہیں گریہ کفلاں پہنچے تابوت کے جس طرح سے ہوشور و فغاں
 فل تھا، اے سہد ذی جاہ، خدا کو سونہا
 اے مدینے کے شہنشاہ، خدا کو سونہا

[۱]—کاشن بیطار، سخن شعرا، آبِ حیا و خدمتائے جاوید۔

[۲]—مقدمۂ روحِ الیس ص ۲۳۔

والی ملک، عجب حال سے کرتا ہے سفر برکتیں اُٹھ لیں خالی ہوئے سادات کے گھر
 نہ وہ زیلت رہی مسجد کی نہ زیب منبر وعظ ہر جمعے کو اب کون کہے گا جا کر
 اِس طرح کالہ کو مسجد میں اذان ہوئے گی
 اب جماعت کی نماز آہ کہاں ہوئے گی
 ذات شہر تھی اک رحمت رب باری کون اب دکھ میں فریبوں کی گرے گا یاری
 فیض کس گھر سے مدیلے میں رہے گا جاری پائیں گے کس کی دعاؤں سے شفا، آزادی
 شہر سے سایۃ الطاف خدا جانا ہے
 مشکلیں باقی ہوں اور عقدہ کشا جانا ہے
 راہ میں شاہ کو تھا زنجِ معویات سفر سختھاں ہجر کی صغریٰ پہ گذرتی تھوں اُدھر
 تارے کن کن کے شب تار کو کرتی تھی سحر ”ہاے اماں“ تھا کبھی لب پہ کبھی ”ہاے پدر“
 اِس مصیبت سے اُسے ہجر کا دن کٹتا تھا
 کہ پرستاروں کا دیکھے سے جگر پھٹتا تھا

انیس

مہر بہر علی "انوس" مہر مستحسن "خلیق" کے بیٹے مہر حسن کے پوتے اور مہر صاحبک کے پڑ پوتے تھے۔ ان کے آبا و اجداد نے دہلی میں قیام کر لیا تھا، مگر اصلی باشندے ہرات کے تھے۔ جب دلی آجڑی تو ان کا خاندان فیض آباد چلا آیا۔ یہیں محکمہ گلاب باڑی میں ۱۲۱۶ھ میں مہر انوس پیدا ہوئے۔ یہ آصف الدولہ کا زمانہ تھا۔ امجد علی شاہ کے زمانے میں ان کے والد نے فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ میں قیام کر لیا۔ مہر صاحب نے ابتدائی کتابیں فیض آباد میں مہر نجف علی سے پڑھیں اور پھر لکھنؤ میں مولوی جہد علی لکھنوی سے عربی کی تحصیل کی۔ فن شاعری بالخصوص مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں ان کو اپنے والد سے تلمذ تھا۔ ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۴ع) میں وفات پائی [۱]۔

مہر صاحب ایک ہی مضمون کو جملی بار باندھتے ہیں، نہا لطف حاصل ہوتا ہے۔ صبح، تلوار، کھوڑے کی تعریف، مہمان جنگ، سراپا کو بھسپوں جگہ نئے نئے انداز سے باندھا ہے۔ اس قسم کی شاعری کے لئے جن معنوی اور لفظی خوبییوں کی ضرورت ہے وہ سب مہر صاحب کے کلام میں موجود ہیں۔

مراثی

مناجات

یارب، چمن نظم کو گلزار ارم کر اے ابو کرم، خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مہدأ ہے توجہ کوئی دم کر کمنام کو اعجاز بہانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلہم سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

[۱]—خطائے جاوید و مقدمہ روح انیس و تاریخ ادب اردو ج ۱ ص ۳۱۷۔

اس باغ میں چشمے ہیں ترے نبض کے جاری بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل پرومند ہے یا حضرت باری پہل ہم کو بھی مل جائے دیانت کا ہماری

وہ گل ہوں عنایت ، چمن طبع نکو کو

بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پہلوں کی ہو کو

فواص طبعیت کو عطا کر وہ لالی ہو جن کی جگہ تاج سر عرش پہ خالی

ایک ایک لڑی نظم ٹریا سے ہو عالی عالم کی نگاہوں سے گرے قطب شمالی

سب ہوں دُر یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے

نذر اُن کی یہ ہوں گے چلہیں رشتہ ہے نبی سے

بہر دے دُر مقصود سے اِس دُرچ دِعاں کو دریائے معانی سے بڑھا طبع رواں کو

آگاہ کو انداز [۱] تکلم سے زباں کو عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسن بیاں کو

تحتیں کا سموات سے فل تا بہ فلک ہو

ہر گوش بندے کان ملاححت وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں قطرے کو جودوں تاب [۲] تو گوہر سے ملا دوں

دُرے کی چمک مہر مذور سے ملا دوں خاراں کو نزاکت میں گل تر سے ملا دوں

گلدستہ معلیٰ کو نئے قہلگ سے پاندھوں

اک پہول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گُر بزم کی جانب ہو توجہ دم تھویر کہنچ جائے ابھی گلشن فردوس کی تصویر

دیکھ نہ کبھی صحبت انجم ، فلک پور ہو جائے ہوا ، بزم سلیمان کی بھی توقیر

یوں تخت حسدیان معانی اُتر آئے

ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

تعلیٰ

اے شمع قلم ، روشنی طور دکھا دے اے لوح ، تجلی رخ حور دکھا دے

اے بکھر طبعیت ، گہر نور دکھا دے اے شاہد معلیٰ ، رخ مستور دکھا دے

بزم غم شہید میں وہ جلوہ گری ہو

خورشید جہان تاب چراغ سحری ہو

[۱]—”نل“ سے نول کشور پریس کا اور ”ن“ سے نظامی پریس ہدایوں کا مطبوعہ نسخہ

مراد ہے - نل (آغاز) - [۲]—نل ، ن (آب) -

اے طبع رسا ، خلد کا گلزار دکھا دے اے باغ سخن ، گلشن بے خار دکھا دے
 اے شمع زباں ، لمعۂ انوار دکھا دے اے حُسن بھان ، خروبی کُنتار دکھا دے
 لرزلں ھے قدم خامۂ إعجازِ رقم کا
 ھاں تھغ زباں ، آج تو کر کلامِ قلم کا
 مانی کو بھی چھرت ھو وہ نقشا نظر آئے بہتا ھوا اک نور کا دریا نظر آئے
 اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے سب بزم کو جھدر کا سراپا نظر آئے
 مہتاب تو کیا ھے ، رخِ خورشید بھی فق ھو
 جو بند ھو ، تصویرِ تجلی کا ورق ھو

خاموش ، زباں دھوی بہتا نہیں اچھا ھو جس میں تکبر سخن ایسا نہیں اچھا
 بس بس یہ فرور اور یہ دعوا نہیں اچھا آپ اپنی ثنا ، واہ ، یہ شیوا نہیں اچھا
 کم مایہ کمال ایلنا جتنا دیتا ھے اکثر
 جو ظرف کہ خالی ھے صدا دیتا ھے اکثر
 خورشید کو کچھ حاجت زیور نہیں زہار پھولوں پہ کوئی عطر لگائے تو ھے بیکار
 اعلیٰ ھے اگر جنس تو کیا حاجت اظہار خوردِ مشک ھو خوشبو نہ کہ خورشید کو کہے عطار
 جو بد ھے سو بد ھے ، جو نکو ھے وہ نکو ھے
 چھلے کی نہیں آپ ، اگر عود مہں بو ھے

ابن مظاهر کی جنگ

یہ کہتے ھی جوالں کہا شہدیز سبکتاز [۱]
 آرکر صفِ اعدا پہ گھڑا صورتِ شہباز
 رنگِ رخِ افواجِ ستم کر کہا پرواز
 گھوڑا تھا مگر شہر کا تھا جست میں انداز [۲]
 اک دم مہں کہا پار ، سواروں کے پرے سے
 مڑو اُدھر آیا تو کرے خوردِ سروں کے
 چمکی عجب انداز سے اُس شہر کی قلواد
 گویا سرِ اعدا پہ گری برقِ شرر بار

تہالوں سے بدن اچھے چھپاتے [۱] تھے سہہ کار،
 اُس دست زہر دست کا رکھتا تھا کوئی وار ؟
 کچھ امن نہ تھا خون و زردی سے ، تن و سر کو
 سینے سے گذر جانی تھی دو کر کے سپر کو
 کاتے ہوئے پھل برچھڑوں کے ، دن میں پڑے تھے
 سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
 چھاپا تھا ہراس اُن پہ ، ہمیشہ جو لڑے تھے
 آنکھیں وہ چراتے تھے ، بہادر جو بڑے تھے
 دہشت سے زرد پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
 اُس تیغ نے تھنوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا
 تھے برچھڑوں والوں کے پڑے بے سر و بے پا
 برجھی تھی کہیں ، ہاتھ کہیں اور کہیں پھلتا
 تھا نہر تلک موج زن اک خون کا دریا
 بہتے تھے حبابوں کی طرح سے سرِ اعدا
 دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوج عدو میں
 مچھلی سے تڑپتے تھے زرد پوہی لہو میں
 چلاتے تھے اعدا : کوئی بلتی نہیں تدبیر
 دم بلند ہیں ، ماریں کسے تلوار ، کسے ٹھہر
 جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر
 پھر جانی ہے آنکھوں کے قلعے موت کی تصویر
 کھا ہوتا ہے تہالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے
 بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رکی ہے
 بھکار تھے جلاظوں کے نیڑے دم پھکار
 تلوار سے ملتی نہ تھی [۲] مہلت کہ چلے وار
 حلقہ کیے اُس شہر کے درپے تھے کماندار
 چلے سے مگر جس نے ملایا لبِ سوفار

[۱]—نڈ (چھپائے) -

[۲]—نڈ (تھی نہ) -

شہباز سا سر پر فرس تھڑ قدم تھا
نکلا بھی [۱] نہ تھا تیر ' کہاں سے کہ قلم تھا

حر کی جنگ

کئی حملے کئے پیہم جو کمانداروں پر
چل گئے تیر ملامت کے جفا کاروں [۲] پر
چٹکھیاں سب کی دھڑی رہ گئیں سو فواروں پر
رخ پھرا تھا کہ گری برق ستمکاروں پر
جل کے خرمین ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش میں کہیں چھوڑنے کو بھی گوشہ نہ ملا
فیروز فوج ستمگار تھے دیکھ بھالے
دم میں اُس شیر نہستماں نے قلم کر ڈالے
گرچہ تھے جہان لڑائے ہوئے لڑنے والے
آفت مرگ کو سر سے کوئی کھوں کر ڈالے
جب سواروں کے پرے جنگ پہ تل جاتے تھے
بلد سب ' ناخن شمشیر سے ' کھل جاتے تھے
الف گرز کو گر دیتے تھے [۳] ہر ضرب میں دال
تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کبھی برجھی کی انی تھی ' تو کبھی تیر کی پھال
کبھی تلوار ' کبھی خنجر برائے ' کبھی [۴] ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو قذا کرتی تھی
دمبدم فوج ستمگر بھی ٹلنا کرتی تھی
شور تھا ' آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے
جل بجھے [۵] کشتی تین خون میں طوفانی ہے

[۱]—نڈ (ہی) - [۲]—ر ' سے "روح انیس" مراد ہے - (خطا کاروں) -

[۳]—ر (گردیتی تھی) - [۴]— (کبھی کی بجائے ہر جگہ پر "کہیں" ہے) -

[۵]—نڈ (بجھی) -

ضرب میں فرد ہے ' یہ زور میں لاثانی ہے
 کہتا تھا حر: یہ فقط قوت ایمانی ہے
 زور تھا مجھ میں نہ ایسا ' نہ وفا کی طاقت
 سب ہے یہ سبط پیغمبر کی دعا کی طاق
 کہ کے یہ ' فوج میں پھر تشنہ چکر دُوب گیا
 وردِ طمّ قانم آفت میں گھر دُوب گیا
 لشکر شام کے بادل میں قمر دُوب گیا
 کشمکش تھی کہ برق میں گلِ تر دُوب گیا
 تھا کبھی شہر سا بیہوا ہوا شمشیروں میں
 کبھی نیزوں کے نیستیاں میں ' کبھی تھروں میں

حضرت عباس کی جنگ

فرما کے یہ تلوار کو صفدر نے نکالا
 ہالہ ہوا دھوار کو گارے پہ جو ڈالا
 بہالوں کو اُدھر بڑھ کے سواروں نے سلجھالا
 بجلی چو گری ہوگیا لشکر تہ و بالا
 اِس شان سے غازی صفِ جنگاہ میں آیا
 قل تھا کہ اسد لشکر روپاہ میں آیا
 دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اِکبار
 عالم کو قہامت کے نظر اگلے اُتار
 ہلنے لگے اشجار لرزے لگے کہسار
 صحرا سے گریزاں ہوئے اُردر طرف غار
 جن کہتے تھے: خالق ہمیں اِس آن بچائے
 چلاتی تھیں پرہیز کہ خدا جان بچائے

جس صف پہ چلی تھغ وہ بے سر نظر آئی
 دیتی یہ ہواک لاش توپ کر [ا] نظر آئی
 جب وار کھا قوت حیدر نظر آئی
 گہ تلگ کے نہچے ' کبھی سر پر نظر آئی
 فل ہوتا تھا ' کرتی تھی ذویارا جو سپر کو:
 دو کر دیا انگشت سے احمد نے قمر کو
 تھغوں کو نہاموں سے نکلنے نہیں دیتی
 اِس فوج کا اِک وار بھی چلنے نہیں دیتی
 گھوڑوں پہ سواروں کو سلجھلے نہیں دیتی
 انداز لوائی کا بدلنے نہیں دیتی
 تلوار نہیں برق اجل ہم پہ چھکی ہے
 دھالوں سے کہیں مرگِ مناجات رُکی ہے

مغفر کو جو کاٹا تو جبہیں سے نکل آئی سر پر جو بڑی خانہ زیب سے نکل آئی
 بچلی سی صفِ لشکر کھن سے نکل آئی کھ دُوب گئی گاہ زمہوں سے نکل آئی
 قل تھا کہ عجب کیا جو سپر سے نہوں دکتی
 یہ ضرب تو چہریل کے پر سے نہوں دکتی

سولہ مہن در آئی تو نئی چال سے نکلی پہنچے کو قلم کرتی ہوئی دھال سے نکلی
 دوی جو زرہ مہن تو عجب حال سے نکلی مچھلی سی تو پتی ہوئی اک جال سے نکلی
 چار اُلے کو آٹھ کھا کات نے اُس کے
 بگھلا دی ہراک کشتی تن گھات نے اُس کے

حضرت عباس پانی لے کر آتے ہیں

لوتا ہوا اعدا سے وہ صند نکل آیا بادل کو ہٹاکر مہ انور نکل آیا
 سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا دریائے شجاعت کا شہنور نکل آیا
 در سے کسی روپاہ نے ضیغم کو نہ روکا ؛
 تلوار اُٹھاکر کہا : کھوں ہم کو نہ روکا ؟

حضرت عباس کا سراپا

چترن تو قہامت کی ہے تہور ہوں غضب کے
 اک حملے مہن سر تن سے اُتر جائیں گے سب کے
 فرزند ہیں یہ فخر شجاعانِ عرب کے
 شہر ان کے ہی تہور سے نکل جاتا ہے دب کے
 بچے کبھی اس گھر کے نہوں دن سے ٹلے [۱] ہوں
 یہ سب اسد اللہ کے بیٹے مہن پلے ہوں

ہر شہر مہن پوشانی انور کا ہے شہر
 سجدے کا نشان بھی ہے تکلف ہے یہ دھرا
 گویا ورقِ ماہِ یہ ہے مہر کا مہرا
 دیکھو سرِ خورشید پہ طالع ہوا زہرا

اِس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا
 موسیٰ نے یہ جلوہ دیدیضا میں نہ دیکھا
 غصے سے جو تھوڑی کو چروہائے ہے یہ چوڑا
 گویا کہ ہیں دو ناخن شہر ابروے خمدار
 بے جنگ ہوئی جاتی ہے گھائل صف کُفار
 ہل جاتی [۱] ہیں جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار
 اِس طرح کا صدف کوئی بستی میں نہیں ہے
 یہ کلت کبھی توغ دو دستی میں نہیں ہے
 گردوں پہ مہ نو کا یہ عالم نہیں دیکھا
 شمشیر ہلالی میں یہ دم خم نہیں دیکھا
 دونوں میں کبھی فاصلہ اک دم نہیں دیکھا
 یوں ربط کمانوں میں بھی باہم نہیں دیکھا
 اک ہیئت کے یہ مصرع برجستہ ہیں دونوں
 ظاہر میں کشیدہ ہیں پہ دلجستہ ہیں دونوں
 کہے مہ نو ان کو تو یہ دو نہیں اُس میں
 مہتاب کہیں رخ کو تو گیسو نہیں اُس میں
 ہے اک گل خورشید سو خوشبو نہیں اُس میں
 آنکھیں نہیں، پلکھیں نہیں، ابرو نہیں اُس میں
 ہو ہے گل تر میں، یہ خط و خال کہاں ہے
 قد سرو کا موزوں ہے تو وہ چال کہاں ہے

خط ہے جو شب قدر تو رخ صبح ارم ہے
 کیا قدرت حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
 توصیف میں عاجز دم تصویر قلم ہے
 دیکھو خط ریکھاں ورق زر پہ رقم ہے
 پہلو میں سحر کو شب دیحور لہے ہے
 ظلمات کو آغوش میں یا حور لہے ہے

یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا
 یہ روئے دل افروز قمر نے نہیں پایا
 رنگ لب نازک گل تر نے نہیں پایا
 نور اس دُر دندان کا گہر نے نہیں پایا
 ہام تو ہوں ، دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
 وہ لعل کے تکرے ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

امام حسین علیہ السلام کا سراپا

ایک شور تھا کہ آج زمہن ، آسمان ہے صحراے کربلا نہیں ، دنیا کی جان ہے
 آفر زمہن پہ چاند یہ خالق کی شان ہے رضوان نے دی صدا کہ خدا مہربان ہے
 پرتو ہے یہ رخ خلفِ بو تراب کا
 دیکھو ، الٹ گہا ہے ورقِ آفتاب کا
 نقشِ سم فرس کی ضیا پر کرو خہال اختر کہیں ہے ، بدر کہیں ہے ، کہیں ہلال
 ہے درپہر کے بعد صدا شمس کو زوال یاں ہے وہی عروج ، زہ حشمت و جلال
 پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر
 گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلی ہے طور پر
 آٹھلے جبیں سے صفا آشکار ہے ابرو سے ماہِ رخ کی [۱] ضیا آشکار ہے
 چشم گہو فشاں سے حوا آشکار ہے رخ سے جلال شہر خدا آشکار ہے
 دستم بھی چڑھ سکے گا نہ ملے پر دلہر کے
 چہرہ تو حور کا ہے یہ تہور ہیں شہر کے
 نور جبہن نے جاوۂ قدرت دکھا دیا چہرے نے حسن صبح صباحت دکھا دیا
 ابرو نے رنگ تیغ شجاعت دکھا دیا قامت نے سب کو طور قیامت دکھا دیا
 جنگل کو بوے کوچۂ گیسو بسا کئی ،
 کھڑوں سے نکھت گل فردوس آ کئی
 ابرو نہیں ہے [۲] چشم مروت نہاد پر نوں لکھ دیا ہے صانع قدرت نے ہاد پر
 دید اسکی فرض عہن ہے خوہں اعتقاد پر قرباں ہے صبح و شام بھاض و سواد پر
 سادہ نگہں حدید [۳] کا دُر نجف میں ہے ؛
 پتلی نہ چاندی ، دُر مکڑوں صدف میں ہے

حضرت علی اکبر کی جنگ

ہل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے
 ڈھالیں تو دھیں ہاتھوں میں ' سر اڑ گئے تن سے
 طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے
 آگے تھا ہرن شہر سے ' اور شہر ہرن سے

فل تھا : یہ جری مثل یداللہ لڑے گا
 تر ہوگی زمیں خوں سے وہ دن آج پڑے گا [۱]
 تلوار تھی جرار کی ' یا قہر خدا تھی :
 سر تھا تو الگ تھا ' جو کمر تھی تو جدا تھی

بتجلی جو اُدھر تھی ' تو اُدھر سیل فدا تھی ؛
 تلوار تھی یوں ' سر پہ جب آئی تو قضا تھی
 بے سر ہوئی وہ صف جو نظر چڑھ گئی اُس کی
 چٹاٹا جو لہو اور برہن ہڑھ گئی اُس کی
 جس صف پہ چلی خون میں غلطان کھا اُس کو
 مجتمع تھا جدھر ' دم میں پریشاں کیا اُس کو

جو آگے ہڑھا فول سے ' بے جاں کھا اُس کو
 بتکشی جسے جاں بلندۃٗ إحسان کھا اُس کو
 بے سر تھا ' ازل سے تھی خطا اصل میں جس کی
 مارا اُسے ' دیلمدار نہ تھا نسل میں جس کی
 کھا ہاتھ تھا ' کھا تیغ تھی ' کھا ہمت عالی :

دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی
 جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی
 بتجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
 ملتا تھا نشان دن میں صفوں کا نہ پروں کا
 تھا شور کہ مہلہ آج ہرستا ہے سروں کا

کھا حرب تھی قربان جگر گوشۂ شہر
 نکلا جو کماں سے تو قلم ہو کے گرا تھر

آیا جو کہاں لے کے کہوں سے کوئی بے پھر
 گوشہ تھا ، نہ چلہ تھا ، نہ حلقہ تھا ، نہ زہ گہر
 جو وار تھا صفدر کا خدائی سے جدا تھا
 قبضے سے کہاں ، ہاتھ کلائی سے جدا تھا

کت کت کے ہر اک ضرب میں سر گرتے تھے سر پر
 برجہی پہ نہ پھل تھا ، نہ کوئی پھول سر پر
 پھر جانی تھی گردن پہ کبھی ، گاہ جگر پر ،
 مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
 نکلی جو کمر سے تو چلی خانہ زہن پر
 زین سے تھی جو [۱] مرکب میں تو مرکب سے زمیں پر

بدلی کی طرح شام کی جب فوج گہر آئی
 پھر تیغ نے بھلی صفِ اعدا پہ کرائی
 دعویٰ تھا مگر بھول گئی [۲] ہرزہ در آئی
 چلاتی تھی [۳] بھاگو کہ وہ خونخوار پھر آئی
 ہر بار ہے موجود تو ہو بار نہیں ہے
 یہ مرگ مفاجات ہے تلوار نہیں ہے

لڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا
 یہ شہر بھی شمشیر دو دم تول کے آیا
 شہباز اجل صود پہ پر کھول کے آیا
 اڑتا ہوا سر بھیج میں اُس غول کے آیا
 حق جس کی طرف ہے وہ زہر دست رہا ہے
 سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

سو سو کو ہر [۴] اک ضرب میں کتے نہیں دیکھا
 یوں غوطہ میں شہدوں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
 بڑھ کر کبھی جہاز کو ہٹتے نہیں دیکھا
 گہرے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہیں دیکھا

جب ہاتھ اُٹھا ' برچھو تھراٹا [۱] ہے گھوڑا
پتلی کے اشارے کو سجھ جاتا ہے گھوڑا

حریف سے خطاب

اکبر نے صدا دی کہ تھہر سامنے آ کر
کیوں ملے کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لا کر
مردانہ دکھا وار حریفانہ وٹا [۲] کر
دیکھ ' اپنے رسالے کے جوانوں سے چھا کر
ناداں ہے تمہز حق و باطل نہیں رکھتا
تو ایسے [۳] تین توہں پہ کچھ دل نہیں رکھتا
یہ خوف ' کہیں جان نہ گھبرا کے نکل جائے
بودا ہے جو لڑنے کی جگہ پا کے نکل جائے
ایسا نہ ہو تلوار کوئی کھا کے نکل جائے
پلٹے سے نہ شہروں کے شکار آ کے نکل جائے
یکجسا صفت سایٹ آہو نہیں تھمتا
سہماب تھہر جانا ہے پر تو نہیں تھمتا
تجھ سا نو جوان لشکر بدخو میں نہیں ہے
ہاں ' زور شجاعت ترے بازو میں نہیں ہے
گھوڑا ہے یہ چالاک پہ قابو میں نہیں ہے
فوجیں ہیں اُدھر یاں کوئی پہلو میں نہیں ہے
ہم ایک ہیں جانباز کہ فوجوں سے لڑے ہیں
کیا تجھ کو کہیں گے ' جو صفیں ہاندھے کھڑے ہیں
نہڑے کے ہلانے میں بھی تو زور کو ہارا
کیوں؟ میں نے کہاں چھین لی اور تیر تمہارا
اک ضرب پڑی [۴] تھی ' کہ ہوا گرز دو پارا
لڑنے پہ تیرا ہے ترا او ستم آرا
آ تیغ جوانان خوہں اقبال کے اوپر [۵]
چہرے کو چھپاتا ہے جھلم ڈال کے ملے پر

حریف کا حملہ

یہ سن کے بڑے غیظ و غضب میں [۱] وہ پل آیا
اکبر نے کہا ' آ ' کہ مقام اجل آیا ؛
بارے شجر جرأت و ہمت میں پھل آیا ؛
بس روک لے پودا ؛ کہ فرس ملے کے بل آیا ؛
یہ پھولے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہے
گر پوتا ہے جلدی ' تری کچھ اصل نہیں ہے
تلواریں کھینچیں برجہاں چمکوں علم اُتھے
کھوڑوں کے [۲] تگ و پو میں برابر قدم اُتھے
نظارے کو [۳] گردوں پہ ملائک بہم اُتھے
گر گر کے ادھر خاک پہ شاہ اُمم اُتھے
اکبر جو مقابل ہوئے اُس فصال و مضل کے
شہرِ قریب آ گئے بھت۔۔۔ابی دل کے

حضرت علی اکبر فوج میں گھستے ہیں

تسلیم کی اور اسپ صبا دم کو آرا کر پھر قلوب گھا فوج میں وہ شیر دل اور
یاں بیٹھے گئے تھام کے دل سبط پیغمبر واں شام کے بادل میں گھرا وہ مہ انور
تھروں کی جو بوچھاڑ ہوئی چھن گیا سہلہ
دوڑن ہوئے اٹلے کہ زور بن گیا سہلہ
تکڑے ہوئے تھغوں سے ' یہ ہمت کونہ ہمارے متجروح نے اُسی نفر اُس فوج کے مارے
صحترا میں کبھی تھے ' کبھی دریائے کنارے پھر دیکھ گئے باپ کو پھر دن کو سدھارے
روئے [۴] نہ پدر ' قتل ہو لخت جگر ایسا !
باپ ایسا ہو صابر ' تو جزی ہو پسو ایسا

حضرت علی اکبر زخمی ہوتے ہیں

لڑتے تھے کہ پھشانی انور پہ لکا تھر
سب خوں سے بھری احمد مختار کی نصیر

لکھا ہے کہیں میں تھا کوئی ظالم بے پھر
 برجھی جو لگی سہلے میں ، حالت ہوئی تنہا
 اللہ دے [۱] شجاعت ، کہ نہ ابرو پہ پل آیا
 پھل اُس نے جو کھینچا تو کلہنجا نکل آیا

تکڑے جو بہے خوں کے دریاؤں میں جگر کے
 غصہ ہو گئے سر گردن دھوار پہ دھڑ کے
 نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے
 سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں ، تکڑے ہوئے سر کے
 تلواریں تھیں ، یا آپ تھے ، یا سر پہ خدا تھا
 جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

حضرت علی اکبر خاک پر زخمی پڑے ہیں
 اٹھارواں یہ سال ، یہ غربت ، یہ جوانی ؛
 یہ شان ، یہ انبال ، یہ شوکت ، یہ جوانی ؛
 دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت ، یہ جوانی ؛
 یوں خاک ہوئی ، ہائے ، یہ صورت ، یہ جوانی ؛
 کس درجہ مشابہ تھے رسول عربی سے ؟
 گویا کہ حسوں آج بچھڑنا ہے نبی سے
 لے آئی جو بیعتابی دل لاش پسر پر ،
 جھکے میں ، نظر پہلے پڑی زخم جگر پر
 اک تیر لگا قلب شہ جن و بشر پر
 سہلے پہ کبھی ہاتھ کو مارا ، کبھی سر پر
 اوپر کے دم اُس شہر کو بھرتے ہوئے دیکھا ،
 بابا نے جوان بھگتے کو مرتے ہوئے دیکھا
 ہونٹوں پہ زباں ، رخ پہ هرق ، خاک پہ گیسو ،
 پھرائی ہوئی آنکھ ، کتے [۲] تیغوں سے ابرو

گردن تو کچ اور حلق پہ اک تیر سے پہلو
 چہرے پہ لہو گالوں پہ دھلکے ہوئے آنسو
 یہ زہر لب آواز کہ آقا نہیں آئے
 نزدیک اجل آگئی، بابا نہیں آئے
 اے درد جگر، تم کہ شہ بکرو بر آ لیں
 اے جان، نہ گھبرا، شہ جن و بشر آ لیں
 اے روح، توقف، شہ والا ادھر آ لیں
 اے موت، تھہر جا، پدر آ لیں پدر آ لیں :
 ارمانِ دل زار پسر ہووے مہن نکلے
 حسرت ہے کہ دم باپ کے آغوش مہن، نکلے
 چلائے شہ دیں، علی اکبر، پدر آیا
 اڈھو مرے پیارے، مرے دلبر، پدر آیا
 تم ڈھونڈتے تھے، اے مہ انور، پدر آیا
 نا شاد پدر، بھکس و بے پدر پدر آیا
 کچھ دل کی کہو، بات کرو، ہووے میں آؤ
 صدقے پدر، آؤ، مرے آغوش میں آؤ
 ملنے کھولے ہو کہوں؟ تیر کو گردن سے نکالوں؟
 کر درد نہ ہو، ہاتھوں کو بازو سے سنبھالوں
 گرتا ہے پہاڑ اِس کو مہن کس طرح سے قالوں
 مارتے اُسے دیکھوں جسے آغوش مہن پالوں
 بہ بہ کے لہو میں جگر آنا ہے تمہارا
 سہنے سے کلہجیا نظر آنا ہے تمہارا

منظر

وہ سرخی شفی کی ادھر چرخ پر بہار، وہ بارو درخت، وہ صحرا، وہ سہنہ زار
 شبنم کے وہ گلوں پہ گہرے آیدار، پھولوں سے سب بہرا ہوا دامن کوہسار
 نافرمان کھلے ہوئے وہ گلوں کی شہم کے
 آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشت کربلا کی زمیں رشک آسمان تھا دور دور تک شب مہتاب کا سماں
 چھلکے ہوئے ستاروں کا ذروں پہ تھا گماں نہر فرات پیچ میں تھی مثل کہکشاں
 سر سبز جو درخت تھا وہ فخل طور تھا
 صحرائے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا
 وہ سر بلند خیمہ زنگاری امام جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
 کم تھا نہ اس کا خانہ کعبہ سے احترام قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
 جلوہ تھا اُس میں بُرجِ امامت کے ماہ کا
 دریاں تھا جبرئیل اُسی بارگاہ کا

صبح

طے کوچکا جو منزل شب کاروان صبح ہونے لگا افق سے ہویدا نشان صبح
 گردوں سے کوچ کرنے لگے اختران صبح ہر سو ہوئی بلند صدائے اذان صبح
 پڑھان نظر سے روئے شب نار ہو گیا
 عالم تمام مطالع انوار ہو گیا
 خورشید نے جو رخ سے اُٹھایا [۱] نقاب شب در کھل گیا سحر کا، ہوا بند بلب شب
 انجم کی فرد فرد سے لے کر حساب شب دفتر کشائے صبح نے، اُلٹی کتاب شب
 گردوں پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
 سلطان قرب و شوق کا نظم و نسق ہوا
 پہنچا جو مہر مہر سے فرمان عزل شب گردوں پہ عاملان سحر کا ہوا نصب
 مژبہ آسمان مع دفتر ہوا طلب پس جابجا ہے اُٹھ گئی انجم کی فوج سب [۲]
 تا صبح فرد فرد میں بھگانگی ہوئی
 برخاست کی، چراغوں کو [۳] پروانگی ہوئی
 یوں گلشن فلک سے ستارے ہوئے رواں چن لے چمن سے پہر لونکو جس طرح باغبان
 آئی بہار میں گل مہتاب پر خزاں مرجھا کے کرکلمے [۴] اُذر و شاخ کہکشاں
 دکھلائے طور باد سحر نے سموم کے
 پڑمردہ ہو کے رہ گئے غلچے نجوم کے

چھلدا وہ ماعتاب کا ، وہ صبح کا ظہور یاد خدا میں زمزمہ پردازی طہور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا ، وہ فضا ، وہ نور خلکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انسان زمیں پہ معصوم ، ملک آسمان پر :
جاری تھا ، ذکر قدرت حق ، ہر زبان پر

وہ صبح اور وہ چھانو ستاروں کی اور وہ نور دیکھ تو غش کرے ارنی گوے اوج طور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طور
گلشن خجیل تھے وادی مہذبو اساس سے
جنگل تھا سب ہسا ہوا پھولوں کی باس سے
تھلڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا ، پھولوں کی وہ مہک ہر برگ گل پہ قطرۂ شبلم کی وہ جھلک
ہیرے خجیل تھے گوہر پکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور ، اور وہ دشت سہانا سا ، وہ فضا ، درآج و کیک و تھو و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل ، وہ نالۂ مرفان خوشنوا ، سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوہ تھے
تھالے بھی نخل کے سجد گل فروش تھے
وہ دشت وہ نسوم کے جھونکے ، وہ سبزۂ زار پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے ابدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زھر [۱] گلشن زہرا جو آب کے
شبلم نے بہر دیے تھے گتورے گلاب کے
وہ تمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم کوکو کا شور نالۂ حق سرۂ کی دھوم
سمیعان ربنا کی صدا تھی علی العموم جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِ علا کی مدح [۲]
ہر خار کو بھی نوک زباں تھی خدا کی مدح [۳]

علم

کہلا جو پھر ہرے کو علمدار جری نے لوٹے گل فردوس نسیم سحری نے

تاروں کو اتارا فلک نہلوٹری نے درجہ جو کھلا ' کھول دیے بال پری نے
 مہسئی نے پکارا کہ نثار اُس کے حشم کے
 خورشید نے منہ رکھ دیا پنچے پہ علم کے

تلوار

افلاک پہ چمکی کبھی ' سر پر کبھی اُئی کوندی کبھی چوہن پہ ' سپر پر کبھی اُئی
 کہ پوگئی سیلے پہ ' جگر پر کبھی اُئی تڑپی کبھی پہلو پہ ' کمر پر کبھی اُئی
 طے کر کے پھری ' کون سا قصہ تھا فرس کا
 باقی تھا جو کچھ کات ' وہ حصہ تھا فرس کا

بے پائو جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی اُئی ندی اُدھر اک خون کی اُبلتی ہوئی اُئی
 دم بھر مہن وہ سورنگ بدلتی ہوئی اُئی پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی اُئی
 دھرا تھا بدن ' رنگ زمرہ سے ہرا تھا
 جوہر نہ [۱] کہو ' پھٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دم جنگ پریوہں اُسے کہنا معشوق بنی سرخ لباس اُس نے جو پہنا
 اِس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے دھلا جوہر تھے کہ پہنے تھی دلیں پھولوں کا کہنا
 سبب چمن خلد کی بو باس تھی پھل میں
 دعتی تھی وہ شپہر سے دولہا کی بغل میں

سر پہنکے تو موج اُسکی روانی کو نہ پہنچے قلم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
 بجلی کی توپ شعلہ فشانے کو نہ پہنچے خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے
 دوزخ کے زبانوں سے بھی اُنچے اُس کی بری تھی
 برچھی تھی ' کتاری تھی ' سروہی تھی ' چھری تھی

موجود بھی ' ہر قول میں اور سب سے جدا بھی دم خم بھی ' لگارت بھی ' صفائی بھی ' ادابی
 اک کھات پہ تھی ' آگ بھی ' پانی بھی ' ہوا بھی امرت بھی ' ہلاہل بھی ' مسوہا بھی ' قضا بھی
 کہا صاحب جوہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
 موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اُس کا

تھروں پہ گئی ہرچھوڑوں والوں کی طرف سے
 جا پہنچی کمانداروں پہ بہالوں کی طرف سے
 پھر آئی سواروں پہ رسالوں کی طرف سے
 ملتے تھگنوں کی جانب کھا دھالوں کی طرف سے
 بس ٹوگیا دفعت نظرِ نسام و نسب کا
 لاکھوں تھے تو کیا ، دیکھ لیا جائزہ سب کا
 پہنچی جو سہر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
 ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
 شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا
 تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
 اعضاء بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
 قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے فغصہ کے
 چار آئنے والوں کو نہ تھا جنگ سے چار [۱]
 چو رنگ تھے سہلے تو کلہجیا تھا دو پارا
 کہتے تھے زڑے پوہی نہیں جنگ کا یارا
 بیچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان ڈوبارا
 جوشن کو سدا تھا کہ حفاظت کا محل ھے
 اِس کی نہ خبر تھی کہ یہی دام اجل ھے
 دَر دَر کے قد راست ستانوں نے جھکائے
 دب دب کے سر عجز کمانوں نے جھکائے
 ہمت ہمت کے علم دن میں جوانوں نے جھکائے
 سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
 قل تھا کہ پلٹا اب ہمیں ، یا شاہِ زماں ، دو
 پھیلانے تھے دامن کو پھرہرے کہ اماں دو

بجلی سی کوند کر صف اعدا پہ جب کری
 ہر سمت قل ہوا کہ وہ برقِ غضب کری

ہودم تھا ، جس پہ تہغ شہ تشلہ لب گری
 کھلتا نہ تھا ، کب اُٹھ گئی اور سر پہ کب گری
 چل پھر سے اُس کی فوج ستم دردناک تھی
 گردوں پہ تھی کبھی ، تو کبھی زہر خاک تھی
 دو لاکھ پر وہ تہغ ہستی چلی گئی
 ناگن کی طرح فوج کو دستی چلی گئی
 بجلی سی دونوں باگوں پہ دستی چلی گئی
 دم مہں جلا کے خرمن ہستی چلی گئی
 زخموں کو اُس نے آتش سوزاں بدلا دیا
 ہو نخل قد کو سرو چراغاں بدلا دیا
 اُس تہغ کی برہں سے زبردست ، زہر تھے
 روپاہ بن گئے تھے وہ ، دل جن کے شہر تھے
 گوشوں مہں چھپتے پھرتے تھے جتلے دلاہر تھے
 تودے تھے سرکشوں کے ، گمانوں کے ڈھہر تھے
 غل تھا کہ اے نبی کے نواسے پلاہ دے
 اے دو شہانہ روز کے پواسے پلاہ دے

آفت تھی ، قیامت تھی ، چھلاوا تھی ، بلا تھی
 بجلی تھی ، کٹاری تھی ، قردلی تھی ، قضا تھی
 روکے کوئی کیا ، بازہ نہ تھی ، سہل فلّا تھی
 پشہ تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا تھی
 بجلی کو بھی توپا دیا تھا چلہ گری نے
 تاب اُس کی نہ تھی ، مانگ نکالی تھی پوری نے
 کٹ جاتے تھے مدہ دیکھ کے سب تہغ زن ، اُس کا
 قامت مہں کچی ، چال مہں وہ بانہن اُس کا
 تاریک زمہں اور وہ تاباں بدن اُس کا
 چلتی تھی سروں پر یہ نہا تھا چلن اُس کا
 ہے صاحب جوہر کا معتل ، چرخ بریں پر
 دکھا ہے مہ نو نے کبھی پانو زمہں پر

فل تھا یہ کسی تھغ میں چم خم نہیں دیکھا
 بجلی کی تڑپ کا بھی یہ عالم نہیں دیکھا
 لشکر کا لہر پی گئی یہ دم نہیں دیکھا
 ایسا کسی ناگن میں کبھی سم نہیں دیکھا
 پھر کیا ہے جو اللہ کا یہ قہر نہیں ہے
 اِس تھغ کے کاتے میں کہیں لہر نہیں ہے

جقاب امام کی تلوار

کہا کیا چمک دکھائی تھی سر کات کات کے
 نذعی تھی کہا تلوں سے زمیں پات پات کے
 پانی وہ خود پیوے ہوئے تھی گھات گھات کے
 دم اور بڑھ گیا تھا لہو چات چات کے
 کیا جانوے ملا تھا مزا کہا زبان کو
 کہا جانی تھی ہما کی طرح استخوان کو
 ہر شانہ میں اُڑا کے گلائی نکل گئی
 کوندی، گڑی، زمیں میں سمائی، نکل گئی
 کاٹی زرہ، دکھا کے صفائی نکل گئی
 مچھلی تھی اک کہ دام میں آئی نکل گئی
 چار اٹھے کے پار تھی اِس آب و تاب سے
 جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

وقت رفا عصا تھی کبھی، اڑدھا کبھی؛
 تلوار بن گئی وہ کبھی، اور قضا کبھی
 بجلی کبھی تھی، ابر کبھی اور ہوا کبھی
 بلندی تھی نفی کفر کے خاطر بلا کبھی
 پھرتے تھے جب حسین پیادوں کو رول کر
 کہا اٹھتی تھی سروں کو دھن کھول کھول کر
 اللہ کے غضب کی نشانی دکھا گئی
 دریائے قہر حق کی روانی دکھا گئی

جل جل گئے وہ شعلہ فشانی دکھا گئی
 کت کت گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی
 لب صورت شکاف قلم، بند کر دیے
 فقروں نے ذوالفقار کے، دم بند کر دیے
 پہنچتی سم فرس پہ، جو بالائے سر گری
 چمکی ادھر زمیں سے نکل کر، ادھر گری
 ناری جلے ادھر، وہ جدھر کوند کر گری
 جس صفائے لگ [۱] چلی یہ، وہ صف خاک پر گری
 دکھلا کے اوج جانی تھی یوں ہر سوار پر
 جنگل میں باز کرتا ہے جھسے شکار پر

سواری

میدان میں جب سواری شاہ اسم چلی
 کس شان سے جلو میں سپاہ حشم چلی
 فتح و ظفر ادب سے قدم با قدم چلی
 بدلی ہوا، نسیم ریاض ارم چلی
 سرتاج عرش تھا جو مکھن، صدر زمین پر
 قدسی پروں کو فرش گئے تھے زمیں پر
 جوں جوں قدم پوہاتا تھا سرور کا خوشخبرام
 ہڈتے تھے نقش سم سے زمیں پر مہ تمام
 تھا ارض کربلائے معلیٰ کا یہ کلام
 گو فرش تھی یہ اب میں ہوئی عرش احتشام
 ذروں کا اُس زمیں کے فلک پر دماغ تھا
 ہر سکہ یوزہ رشک دہ شب چراغ تھا
 بچھی تھی ایک نور کی چادر جو دور دور
 ہنستا تھا کہکشاں پہ، یہ جادے [۲] کو تھا غرور

ہنستے تھے روئے مہر پہ ، ذروں میں تھا یہ نور
 ہر سنگریزہ کہتا تھا ، میں ہوں چراغِ طور
 تھا یہ زمیں کا قول کہ عذہر سوشٹ ہوں
 کہتی تھی گود نکبت باغِ بہشت ہوں
 وہ صبح اور وہ جلوۂ خورشیدِ خاوری
 وہ صاف صاف آئینۂ چرخِ اختری
 وہ نور اور وہ شانِ جوانانِ جہدِری
 راکبِ ہر اک ملک تھا تو مرکبِ ہر اک پری
 صدقے سواریِ شہِ گردوں راکب کے
 گویا ستارے جاتے تھے ساتھ آفتاب کے

گھوڑے کی تعریف

گھوڑے تھے چھلاوا : کبھی یاں تھے ، کبھی واں تھے
 پتلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
 یاں تھے جو سیکرو تو اُدھر گرم عشاں تھے
 بجلی [۱] تھے کسی جا ، تو کہیں آبِ رواں تھے
 ہو سکتی تھی بجلی [۲] سے یہ سرعت ، نہ ہرن سے
 جھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سن سے
 بے آب تھے دو دن سے پہ جاندار تھے گھوڑے
 ہر مرتبہ اُرجاتے پہ طہار تھے گھوڑے
 اُس پار کبھی تھے ، کبھی اُس پار تھے گھوڑے
 نقطہ تھی وہ سب فوج کہ پرکار تھے گھوڑے
 دس بوس جو مرجاتے تھے تاپوں سے کچل کے
 بڑھ سکتا نہ تھا اک بھی [۳] احاطے سے اجل کے

سرعت وہ سمندوں کی وہ چھل بل وہ طواری
 چھپتے تھے پہاڑوں میں ہرن شرم کے مارے

سُم ایسے کہ قدموں پہ فلک ، بدر کو وارے
جب نعل کھلیں چار ہلال اور اُتارے
اُڑ جانے کو افلاک پہ طہار یہی تھ
کہلوں سے یہ ثابت ہے کہ سیار یہی تھ

ہلچل وہ اُن صفوں کی وہ گھوڑے کی جست و خہز
تھا ترک و تاز مہں کہیں صر صر سے تند و تہز
صدقے گندھے [۱] اہال پہ گھسے مشک بوہز
گرد آوری مہں ابر تو بجلی دم ستہز
نرے قدم کے فہض سے سارے چمک گئے
جب پتلہاں اُٹھیں تو ستارے چمک گئے
جرأت مہں رشک شور تو ہیکل مہں پہلتن
پوئی [۲] کے وقت کبک دری ، جست مہں ہرن
بجلی کسی جگہ ، تو کہیں ابر قطرہ زن
بن بن کے آنے جانے مہں طاؤس کا چلن
سہماں تھا زمیں پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا ، تو ہوا پر عقاب تھا
آنکھیں وہ ، جن کو دیکھ کے حیران ہے غزال
گردن وہ ، جس کی شرم سے ہے سر نگوں ہلال
آہو کی جست ، شہر کی چتون ، پری کی چال
دل ، اُس کے دست و پائے حنائی سے پائمال
ہر نعل پا کا حسن یہ تھا اُس جالوس مہں
اُٹھتے جس طرح سے ہو دست مروس مہں
کہوں اعتقاد مہں حکما کے نہ آئے فرق
اِشرافی ، اُس سے بھر تنکر مہں سب مہں فرق
راکب کو اُس کو غرب سے درزائے سوے شرق
اور آسمان سے ساتھ ہی چمکے نعل کے برق
بجلی کی واں چمک نہ فلک پر تمام ہو
یاں کب سے غرب مہں فرس تھوڑا گام ہو

کل کی طرح اشارے میں سو بار پھر لو
 بجلی ہے ، جس طرف دم پھکار پھر لو
 کاوے میں شکل گلابد دوار پھر لو
 نقطے کے گرد صورت پرکار پھر لو
 درزے بروے آب تو پتلی بھی تر نہ ہو
 آنکھوں میں یوں پھرے کہ مڑے کو خبر نہ ہو
 طاؤس سا جدھر گھسا دم کو چنور کھے
 دم میں پرے سہارے کے زیر و زبر کھے
 کچلے کبھی بدن ، کبھی پامال سر کھے
 کشتوں کو روند روند کے سُم خوں میں تر کھے
 مہدان میں تھا کسی کو نہ پارا ستیز کا
 عالم ہو ایک نعل میں تھا تیغ تیز کا
 زیبا ہے گر کہیں شعرا بادپا اُسے
 آہستہ گر چلے تو نہ پائے ہوا اُسے
 طائر جہاں کے جانتے ہیں سب ہما اُسے
 مہمیز و تازیانہ کی حاجت ہے کیا اُسے
 فتراک گر ہوا سے کبھی اک زری آزی
 یوں اُڑ کیا کہ سب نے یہ جانا پری آزی

سفر

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
 راحت نہیں ملتی کوئی دم آتھ پھر میں
 سو شغل ہوں پردہیان لگا رہتا ہے گھر میں
 پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی ، نظر میں
 سنگ غم فرقت دل نازک پہ گراں ہے
 اندر غریب الوطنی کاہیں جاں ہے
 گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد
 جاتی نہیں افسردگی خاطر ناشاد

جب عالم تلہائی میں آتا ہے وطن یاد
 ہر گام پہ دل مثل جرس کرتا ہے فریاد
 ایک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ہوتی
 منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی

ہمراہ سفر میں ہوں اگر حامی و ناصر
 منزل پہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر
 جب ہو سفر خوف و پریشانی خاطر
 شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے آخر
 ہر طرح مسافر کے لئے رنج و تعب ہے
 رہ جائے پس قافلہ تھک [۱] کر تو فغصہ ہے

دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پانوؤں کے چہالے
 منزل پہ پہنچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے
 ہاتھوں سے اکر بیٹھ کے کانٹے کو نکالے
 در ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے
 واماندوں [۲] کے لئے کو بھی آقا نہیں کوئی
 تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھانا نہیں کوئی

ہر دم دل نازک پہ مسافر کے ہیں یہ [۳] غم
 تر رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدہ پر نم
 تھمتا ہی نہیں قافلہ اشک کوئی دم
 ہوتا ہے عجب صاحب اولاد کا عالم
 بابا کو تو فرزندوں سے چھٹنے کا الم ہے
 والد سے جدائی ہو تو بچوں پہ ستم ہے

بیٹے کا غم

یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے
 موت آئے نہ لے جائے یہ دولت کسی گھر سے

اُمّ جانا ہے چھٹے کا مزا مرگ پسر سے
 جانا نہیں یہ داغ مرے [۱] پر بھی جگر سے
 اس فم میں کرے صبر، 'نہیں دل یہ کسی کا؟
 ہاں، سہٹ پھمپر کا، 'حسین ابن علی کا

فرزند

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
 راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
 لذت کوئی پاکیزہ فہر سے نہیں بہتر
 نکمت کوئی بوے گل تر سے نہیں بہتر
 صد مومن میں علاج دل مجروح یہی ہے
 دیکھاں ہے یہی روح [۲] یہی روح یہی ہے
 ماں باپ کا دل فلجہ خنداں ہے اسی سے
 وہ گل ہے کہ گھر رشک گلستاں ہے اسی سے
 سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے
 آبادی کا شانہ انسان ہے اسی سے
 کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
 گھر قہر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے
 یہ وہ ہے عصا، پھر جوان دھتا ہے جس سے
 یہ وہ ہے نگین، نام و نشان دھتا ہے جس سے
 وہ شمع ہے، پُر نور مکن دھتا ہے جس سے
 وہ دُر ہے، قوی رشتہ جاں دھتا ہے جس سے
 کہوتے نہیں یہ مال، زر و مال کے بدلے
 موتی بھی لٹا دیتے ہیں اِس لال کے بدلے
 صولت یہی، شوکت یہی، اِجلاں یہی ہے؛
 ثروت یہی، حشمت یہی، اِقبال یہی ہے

سرمایہ یہی ، نقد یہی ، مال یہی ہے ؛
 گوہر یہی ، یاقوت یہی ، لال [۱] یہی ہے
 دلہند ہو پہلو میں تو ہم پاس نہیں ہے
 کچھ پاس نہیں ، گر یہ رقم پاس نہیں ہے
 ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے
 تلخی میں بھی جھٹے کی حلاوت ہے پسر سے
 خوں جسم میں ، آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے
 ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
 آرام جگر ، قوت دل ، راحت جاں ہے
 پھری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے
 وہ شے ہے ، خوشی در یہ گھڑی دھتی ہے جس سے
 وہ چھن ہے ، راحت کی گھڑی دھتی ہے جس سے
 وہ لال ہے امید بڑی دھتی ہے جس سے
 وہ دُر ہے یہ دُر ، جان لڑی دھتی ہے جس سے
 آرام جگر ، تاب و توان ساتھ ہے اِس کے
 پھرتا ہے جدھر ، رشک جاں ساتھ ہے اِس کے
 مالک سے بھرے گھر کے اُچڑ جانے کو پوچھو
 گھر والوں سے اِس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
 ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
 یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو
 اللہ دکھائے نہ اَلْم نورِ نظر کا
 بہ جانا ہے آنکھوں سے لہوِ قلب و جگر کا

سلام

نہود و ہود بشر کھا مہبطِ عالم میں
 ہوا کا جب کوئی چھونکا چلا ، حباب نہ تھا

کوئی انہیں کوئی آشنا نہیں دکھتے
 کسی کی اُس ، بغھر از خدا نہیں دکھتے

کسی کو کیا ہو، دلوں کی شکستگی کی خبر
 کہ توڑتے ہیں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے
 قلعے و گھر آبرو و دولت دیں
 ہم اپنے کوسٹے خالی میں کیا نہیں رکھتے
 ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر ملت خلق
 وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے
 فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے
 کچھ اور فرس بجڑ بوریہ نہیں رکھتے
 فلک پہ شور تھا کتنا ہے خلق پاک رسول
 حسین تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

ایک در پہ بیٹھ کر ہر توکل کریم پر
 تکرار کیا ہے زندگی مستعار میں
 مرقد چراغ داغ سے روشن رہ "انیس"
 اللہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیے
 اے موت، بار بار تقاضا نہ چاہیے
 شب کو اکیلے گھر میں اندھیرا نہ چاہیے

مثال بدر جو حاصل ہوا کمال مجھ
 کمال شوق زیارت ہے اب کے سال مجھ
 بونگ سبز بھکانہ باغ دھر میں تھا
 کسی کے سامنے کہوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں
 پھوک پھوک کے مروں گا وہ نیم بسمل ہوں
 کھٹا کھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھ
 کریم، ہند کی ظلمت سے اب نکال مجھ
 ترے سحاب کرم نے کیا نہال مجھ
 مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھ
 فلک نے کلمہ چھری سے کیا حلال مجھ

مرا راز دل آشکارا نہیں
 وہ کل ہوں، جدا سب سے جسکا رنگ
 گئے پہنے نعلین واں مصطفیٰ
 جہلم سے ہم بھڑاروں کو کیا
 وہ دریا ہوں جس کا کنارہ نہیں
 وہ ہو ہوں کہ جو آشکارا نہیں
 فرشتے کا جس جا گزارا نہیں
 جو آتش پہ تھہرے وہ پارا نہیں

خیال چھوڑا شہ وقت خواب رہتا ہے
 تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے

فبار وہ کریلا ہو گئی
 آہی، مجھی میں نہ تھی کچھ وفا
 نہ کل میں مصیبت، نہ بلبل میں انس
 مری خاک بھی کھینچا ہو گئی
 کہ دنیا ہی سب بے وفا ہو گئی
 آہی، یہ کھسی ہوا ہو گئی؟

رہا مدتوں ساتھ جس روح کا _____ وہ دم بھر میں نا آشنا ہوئی
 کریمیاں مرا چہرے ' اے حرص دنیا ' _____ مرے ہاتھ میں دامن پلجتنے ہے
 "انہس" اِس قدر شور بختی کا شکوہ _____ یہ دولت ہے تہوڑی کہ شہریں سکن ہے؟
 آہی بخش دے اچھے کرم سے میرے مصلیٰ کو
 کہ میں ہوں بلذت محتاج تو ہر شے پہ قادر ہے

دیکھا دوں زمیں نجف کی بلندی؟ _____ بہت آپ کو آسمان کھینچتے ہیں
 زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اِک دن _____ وہ کہیں سر کو نا آسمان کھینچتے ہیں
 ہوا لگنے دیتی تھی جن کو نہ بلبل [۱] _____ وہی گل جفائے خزاں کھینچتے ہیں
 ایک عالم سے جو چہت جاؤں تو پروا نہیں کچھ
 پر نہ ہاتھوں سے مرے دامن سرور چھوٹے

دل سیر ہے گدائے جناب امیر کا _____ خالی کبھی رہا نہیں کاسہ فقیر کا
 پیاسا ہوں ' ساقیہ ' مے کوثر کے خم کی خیر _____ بھر دے خدا کی راہ میں کاسہ فقیر کا

گرد ہے اکسیر خاک کر بلا کے سامنے
 زرد مٹی کی حقیقت کھا طلا کے سامنے
 جسم کو اک دن فنا کر دیں گے جھونکے آہ کے
 بات کھا ہے خاک اُڑا دینا ہوا کے سامنے
 فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے وقار
 ہاتھ پھیلانا ہے سلطان بھی گدا کے سامنے
 فصل پھری میں ہوس دنیا کی ' توبہ کر "انہس"
 حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

جب گسستہ ہو گیا تار نفس ' _____ کون سا اُلفت کا رشتہ رہ گیا؟
 کاتب اعمال بھی رخصت ہوئے _____ ہاے میں قربت میں تنہا رہ گیا
 قبر میں ہوگا حساب زندگی _____ بعد مرنے کے بھی جھکوا رہ گیا
 قبر میں رکھ کر نہ تھہرا کوئی دوست _____ میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا

گھٹا زور ، مشقِ سخن بڑھ گئی : ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا
مری قدر کر ، اے زمہنِ سخن : تجھے بات میں آسماں کو دیا

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمہنوں کو
یہ جہریاں نہیں ہاتھوں پہ ، ضعفِ پیری نے
چلا ہے جامۂ اصلی کی آستہنوں کو
لگا رہا ہوں مضامین نو کا پھر انبار
خیر کرو مرے خرمن کے خوشہ چھٹوں کو
خیالِ خاطر احباب چاہیے ہر دم
”انہس“ تھیس نہ لگ جائے آبیگہنوں کو

کلمہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اُٹھا کے چلے
خدا کے آئے خجالت سے سر جھکا کے چلے
تمام عمر جو کی سب نے بھرخی ہم سے
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے ملے چھپا کے چلے
”انہس“ دم کا بھروسا نہیں تھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے ؟

عالمِ فانی میں کیا تم کو ملا ؟ اور کچھ اپنی گردے سے کھو گئے

صبا ، لے کے جا مہرے پھولوں کی ہو : دماغِ عسکر بھی معطر رہے
فقہروں کی کیا موت ، کہا زندگی ؟ جگہ ، جس جگہ مل گئی ، مر رہے

اُسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
اُسی کی شانِ نظر آئنی جدھر دیکھا
کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ ”انہس“
عروجِ ماہ بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں
وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں

کبھی برا نہوں جانا کسی کو اپنے سوا
 ہر ایک ڈرے کو ہم آفتاب سمجھتے ہیں
 ارے نہ آئیںو دنیاے دوس کے دھوکے میں
 سراب ہے یہ ' جسے موج آب سمجھتے ہیں
 عجب نہوں ہے جوششوں میں دکھ کے لئے جائیں
 ان آنسوؤں کو فرشتے گلاب سمجھتے ہیں

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لئے
 شمع کشتہ ہوں، لڑا میں ہے بقا میرے لئے

چوڑے گی جو ندی میرے اشک کی تو نظروں سے دیریا اُتر جائیں گے

در یہ شاہوں کے نہوں جاتے فقہر اللہ کے
 سر جہاں دکھتے ہیں سب ' ہم واں قدم رکھتے نہوں
 جو سستی میں مال دنیا سے ہیں خالی اُن کے ہاتھ
 اہل دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہوں
 جو مقرر ہے وہ ملتا ہے تیری سرکار سے
 ہم ہیں صابر ' کچھ خیال بھس و کم دکھتے نہوں

رباعیات

پروا تیغِ زبانی کو سجدے کی نہیں حاجت طبلِ سکن کو بجلے کی نہیں
 در بار ہے ابرِ طبع لیکن ہوں خموش عادت ہے برسے کی ' کرجلے کی نہیں

بھجا نہوں مدحِ شہ میں غرا میرا بھرتی سے کلام ہے معرا میرا
 مرغانِ خوش الحان چمن بولیں کھا مرجاتے ہیں سن کے روز مرا میرا

پرساں کوئی کب جوہر ذاتی کا ہے ہر گل کو گلہ کم التفانی کا ہے
 شہنم سے جو وجہ گریہ پوچھی تو کہا درنا نلقت اپنی بے ثباتی کا ہے

جس دن کہ فراقِ روح و تن میں ہوگا مشکل آنا اِس انجمن میں ہوگا
 نازاں نہ ہو رختِ نو پہن کر ' فافل ' اک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے دغ سب سے پہرا کے ملہ دکھایا ہے تجھے

کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں، اے قہر، میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

زیبا ہے وتار بادشاہی کے لہے جرأت واجب ہے کچ کلاہی کے لہے

لازم ہے کہ ہو اہل سخن تیز زباں تلوار ضرور ہے سپاہی کے لہے

جو شے ہے فنا، اُسے بقا سمجھا ہے جو چھڑ ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے

ہے بکھر چھاں میں صبر، مانند حباب غافل، اِس زندگی کو کیا سمجھا ہے

ایک ایک قدم لغزش مستانہ ہے گلزار بہشت اپنا میخانہ ہے

سر مست ہیں حب ساقی کوثر سے آنکھوں شیشے ہیں قلب پیمانہ ہے

غافل تجھے کیوں خواہیں دنیائے دنی ہے

پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غلی ہے

جو قائم و ساجد پہلے تھے ہمیشہ

سوتے ہیں تہ خاک، گلے میں کفلی ہے

دلشن میں پھروں کے سیر صحرایہ دیکھوں

یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں

ہر جا تری قدرت کے ہوں لاکھوں جلوے

چھوڑا ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا جز خاک، نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا

تنبہائی میں آئے [۱] کون ہووے گا "انہس" ہم ہو رہیں گے اور قہر کا کونا ہوگا

ادبار کا کہتے حشم و جاہ میں ہے جاگو، جاگو، کہ خوف اسی راہ میں ہے

اُٹھو، اُٹھو، یہ خواب غفلت کب تک دیکھو، دیکھو، اجل کھٹکناہ میں ہے

ظلمت کدۂ ہلد میں کھا ملتا ہے نے دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے

صحرایہ نجف کو چل کے دیکھو تو "انہس" دُر ایک طرف، نور خدا ملتا ہے

چھٹتا ہے مقام، کوچ کرتا ہوں میں فرقت، اے زندگی، کہ موتا ہوں میں

اللہ سے لو لگی ہوئی ہے مہری اوپر کے دم اِس واسطے بھرتا ہوں میں

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تھری انہوں نے ترے غضب سے رحمت تھری
جنت انعام کر ' کہ دوزخ میں جلا ' وہ رحم ترا ہے ' یہ عدالت تھری

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی بھٹکانے سے راحت ' نہ بھٹکانے سے ملی
حقا ' کہ پلک نواز ہے ذات تری جنت انہیں اشکوں کے بہانے سے ملی

ممکن نہیں عہد سے عبادت تھری خلق و کرم و عطا ہے عادت تھری
صعبرا صعبرا ہیں گو کہ عصیاں میرے دریا دریا مگر ہے رحمت تھری

جب خانمہ شاہ خوہی اقبال کیا اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دروازے چاند سے سہلوں پر سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

کھر میں تھوٹو ' نہ انجمن میں تھوٹو
مردم میں نہ تھوٹو ' نہ کفن میں تھوٹو
گلزار نجف میں مدح خراں ہوگا " انیس"
بلبل کو جو تھوٹو ' تو چمن میں تھوٹو

ہر دم ہے خہال عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوف الہی دل میں
نافیہ کی طرح خطا میں گزری سب عمر
بالوں پہ سہیہدی ہے سہاگی دل میں

وہ موج حوادث کا تھوٹو نہ رہا کشتی وہ ہوئی فرق ' وہ بھڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تیرے زندگانی کے " انیس" جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھڑا نہ رہا

بابل یہاں آئے خوہی بھائی سہکے انداز فقہان مجھ سے ' فغانی ' سہکے
دونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ' ابر دریا مرے اشکوں سے روانی سہکے

آنکھ ابر بھاری سے لڑی دھتی ہے اشکوں کی ردا ملے پہ پڑی دھتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں مہری سارن بھادوں یاں سارے برس ایک جھڑی دھتی ہے

مضمون " انیس" کا نہ چربا اُترا اُترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھیلتی تصویر نہ کھینچ سکی ' تو چہرا اُترا

اندیشہ باطل ، سحر و شام کھا عقوبت کا نہ ہاے کچھ سر انجام کھا
نا کام چلے جہاں سے ، افسوس ” انہس “ کس کام کو یہاں آئے تھے کھا کام کھا

طفلی دیکھی ، شباب دیکھا ہم نے ہستی کو حجاب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بلند تو عقدہ یہ کھا جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا گھر چھوڑ کے زیر خاک سونا ہوگا
بالش سے سروکار نہ بستر سے غرض اپنا کسی تکھے میں بچھونا ہوگا

جب دارِ فدا سے جان کھونا ہوگا
میت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا
عادت نہیں ملے تھانپ کے سونے کی ” انہس “
کھا گزرے گی جب قبر میں سونا ہوگا

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں اک آن میں طوبی کے تلے جاتے ہیں
ہے راہِ بہشت کتنی ہموار ” انہس “ بدلتے آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں یہ نشیئہ فقر ہے کہ جانا ہی نہیں
لہریز ہیں یہ دولتِ استغنا سے آنکھوں میں کوئی فنی سامنا ہی نہیں

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں ،
توفیقِ رفیق ہو ، تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں ” انہس “
کہوں دک گئے پانوں ، ہاتھ ملتا ہوں میں

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے ؛ ناداں ، تجھے فکر آبِ دانے کی ہے
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا آنا تھرا دلیل جانے کی ہے

کہوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے ؟ ناداں ، یہ کسے فریب تو دیتا ہے ؟
لازم نہیں اچھے ملے سے تعریف ” انہس “ خالص جو ہے مشک ، آپ بو دیتا ہے

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے ، بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا ؛ جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

دل بہت سے اُٹھا کے حق پرستی کھیچے ؛ بے تہفہ ”انہس“ قطع ہستی کھیچے ؛
 آخر ایک دن یہ پانوں ہوں گے بے کار ؛ بہتر ہے یہی کہ پھوس دسٹی کھیچے
 راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گذری ؛ کہونکر تاریک گھر میں لٹھا گذری ؟
 اے کلچ لحد کے سونے والو ، افسوس ؛ کس سے پوچھیں کہ تم پر کیا کیا گذری ؟
 اب زیر قدم لحد کا باب آپہنچا ؛ ہشیار ہو جلد وقت خواب آپہنچا
 پوری کی بھی دوپہر دھلی ، آہ ، ”انہس“ ؛ ہنگام غروب آفتاب آپہنچا

کہوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے ؟
 جانا ہے تجھے کہاں ، کدھر پھرتا ہے ؟
 اللہ دے ، پیہری میں ہوس دنیا کی !
 تھک جاتے ہوں جب پانوں ، تو سر پھرتا ہے

داغ غم شہ ، سہلے میں گل بوٹے ہیں ؛ کیا کیا گھر بھس بہا لوٹے ہیں
 مجلس میں ریاسے جو کہہ روتے ہیں ”انہس“ ؛ اشک آنکھ بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں
 جب اُٹھ گیا سایۂ جوانی سر سے ؛ پھر ہوئی جدا نہ سرگرائی سر سے
 کچھ ہو گانہ ہانہ پانوں مارے سے ”انہس“ ؛ جس وقت گذر جائے گا پانی سر سے
 دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے ؛ آنا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
 جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا ؛ یہاں اور گہر سے ایک برس جاتا ہے
 دنیا جسے کہتے ہیں بلاخانہ ہے ؛ پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے
 ما بہن زمین و آسماں یوں ہم ہیں ؛ جھسے دو آسماں میں ایک دانہ ہے

دبیر

سلامت علی ”دبیر“ مرزا غلام حسنین کے بیٹے ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھ سات برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آئے، وہیں ہوہی سنبھالا اور چھوٹے علما سے فضل و کمال حاصل کیا۔ شعر و سخن کے ساتھ خلیقی مناسبت تھی۔ مہر ”ضمہر“ مشہور مرثیہ گو کے فیض صحبت سے مرثیہ گوئی کی طرف مائل ہوئے اور مجالس عزا میں شریک ہونے لگے۔

مشہور ہے کہ مرزا صاحب نے پندرہ برس کی عمر سے مرثیہ گوئی شروع کی پچاس ساٹھ سال کی عمر تک تین ہزار مرثیے لکھے، رباعیاں اس کے علاوہ جو اکثر لاجواب ہیں۔ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں لکھنؤ ہی میں وفات پائی [۱]۔

مراثی

میدان جنگ میں جناب امام کی آمد

کس شہر کی آمد ہے کہ دن کانپ رہا ہے دن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے
شمشہر بکف دیکھ کے چھدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹتے ہوئے پر کو

ہمیت سے ہیں نہ قلعہ انلاک کے در بند جلاں فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
وا ہے کمر چرخ سے جوزا کا کمر بند سیارے ہیں قلاطال، صفت طائر پر بند
رنگت پہ عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پلجے سے علم چھوٹ پڑا ہے

[۱]—خطائے جاوید، ص ۱۵۸ ج ۳ و تاریخ ادب اردو، ص ۳۱۷ و ۳۲۵ ج ۱۔

اُس رخس کو عباس اُراتے ہوئے آئے کوس ” لمن الملک “ بجاتے ہوئے آئے
 اک تیغ نیکہ سب پہ لگاتے ہوئے آئے تکبہر سے سوتوں کو جگاتے ہوئے آئے
 کھینچتے ہوئے فصے سے ہر اہرو کی کماں کو
 اور تانے ہوئے پلکوں کی ایک ایک سداں کو

شیر خوار اور تشنہ لب علی اصغر پو تیر ستم

پھر ہونٹ بھڑبان کے چومے جھکا کے سر رو کر کہا جو کہنا تھا سو کہ چکا پندر
 باقی رہی نہ بات کوئی، اے مرے پسر سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر
 پھڑی زبان لبوں پہ جو اُس نور عین نے
 تھرا کے آسمان کو دیکھا حسین نے
 مولا فلک کو دیکھ رہے تھے کہ ناکہاں لی حرمہ نے شانے سے دوٹانک کی کماں
 ترکش سے چن کے کھینچ لیا تیر جانستہاں جوڑا کماں میں تاک کے حلقوم بھڑبان
 چھتے ہی، حلق بچتے کا چھیدا جو تیر نے
 گھبرا کے غش سے کھول دیں آنکھیں صغیر نے
 کیا سین تھا تیر کھاتے ہی بچتے بلک گیا سوکھے گلے میں خون بھرا دم اٹک گیا
 تیرا جو شہ کے ہاتھوں پہ قامت سرک گیا توپی گری زمہن پہ ملکا دھلک گیا
 نلھی کلاٹھوں میں تشلیج سے بل پڑے
 ہچکی سی آئی ملہ سے انکوٹھے نکل پڑے
 ملہ آسمان سے شہ نے پھرایا کہ کوا ہوا دیکھا کہ پار حلق سے تیر جفا ہوا
 بچتے توپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا یوں دیکھتا ہے جھسے کہ کوئی قرا ہوا
 آنکھوں پھرائے دیتے ہیں تھور بدلتے ہیں
 آگے تو دردہ اُگلتے تھے اب خوں اُگلتے ہیں
 شہ نے [۱] کہا العینوں سے کیوں اے جوان و پھر ہم نے کہا تھا کیا، جو بھلا تم نے مارا تیر؟
 تم سے کلام کرتا تھا میں یا کہ یہ صغیر اس بھڑبان نے تو نہ مانگا تھا آب و شہر
 ثابت علی کے پوتے کی تم نے خطا نہ کی
 تم نے ہمارے لانے کی بھی کچھ حیا نہ کی
 ہنس ہنس کے سب حسینوں کے رونے پڑے ہت گئے شہ نے وہ آہ کی کہ دو عالم اُلٹ گئے

اصغر ہمک ہمک کے پدر سے لہت گئے نڈھ سے ہانہ پانو لرز کر سمٹ گئے
 ہونٹوں پہ شہ کے ہونٹ ملے اور گذر گئے
 اک بسوسہ مسکرا کے لہا اور مر گئے

فہم حسین

داغ فہم حسین مہیں کیا آب و تاب ہے اس داغ کے چراغ کا گل آفتاب ہے
 یہ گل وہ گل ہے جس کا کہ بلبل ثواب ہے یہ داغ لالہ چمن بوقراب ہے
 پروانے مہیں جہان کے ، لحد کے چراغ مہیں
 نام خدا نجات کی مہریں یہ داغ مہیں
 دل ہے کلہم اور ید بیضا یہ داغ ہے قلمدیل جس کی طور ہے یہ وہ چراغ ہے
 اندیشہ خزاں سے اسے انفراغ ہے ہر وقت اشک سے تر و تازہ دماغ ہے
 اس اشک سے ہزار طرح کا فتوح ہے
 عصیاں کے فرق کرنے کو طوفان نوح ہے

اسیروں کا قافلہ

عزیزو ، حادثہ نو فلک دکھانا ہے حرم کا قافلہ پیہں پیڑید جانا ہے
 گلے بلند مہیں بدن سب کا تہر تہراتا ہے نہ سانس لہتے مہیں قیدی نہ بولا جاتا ہے
 جو گرتے مہیں تو ستمگار نہڑے مارتے مہیں
 وہ دو کے حیدر کرار کو پکارتے مہیں
 کہوں اسیروں کا سب حال ، یہ مجال ہے کیا یہ ہاتھ بلند علیہ کا مضمون ہے دست بستہ کھڑا
 ہوا ہے بھڑیوں سے بس کہ فلغلہ بریا بتول خلد مہیں حیدر کو دے رہی ہے صدا
 بلند کرتی ہے فریاد یا علی ، زینب
 چلو پیڑید کے دربار مہیں چلی زینب
 ادھر اسیروں کے بچوں کی فالہ و زاری ادھر لہیوں کو زاری سے اُن کی بیواری
 جناب عابد بیکس اسیر و آزادی اور اہل ظلم کے آزار مہیں دل آزادی
 سکیلہ کہتی تھی اماں ، چلا نہیں جانا
 اشارہ کرتی تھی ماں ، کچھ کہا نہیں جانا

صبح

جب ختم کیا سورہ ”واللہل“ قمر نے اور سہجہ انجم کو لگا ہاتھ سے دھرنے

آواز کیا آیہ ”والشمس“ سحر نے اور دو کے کہا فاطمہ خستہ جگر نے
 پوشہ ہوا دوے قمر چرخ بریں مہیں
 چھپ جائے گا اب چاند ہمارا بھی زمیں مہیں

وہ روشنی صبح وہ جلجل وہ بھاپاں وہ سرد ہوا اور وہ سحر قتل کا سامان
 ہر مرتبہ جنبش مہیں بہم برگ درختاں اور شاخوں پہ وہ زمزمہ مرغ خوشی العناں
 خورشید کی وہ جلوہ گری اوج و سما سے
 اور خیموں مہیں بچھنا وہ چراغوں کا ہوا سے

سورج کی کرن سبز صحرایہ جو آئی وہ فرش زمرد بھی ہوا فرش طلائی
 مرقان سحر مستعد نغمہ سرائی اور فاطمہ دیتی تھی مصمد کی دھائی
 آہ دل زہرا جو شرر بار ہوئی تھی
 خورشید کے خرمن مہیں بھی اک آگ لگی تھی

وہ پرتو مہر اور وہ ذروں کا چمکنا اور ساغر خورشید سے وہ نور جھلکنا
 اور خیمے مہیں شہپر کے بہنوں کا بلکنا سر خاک پہ ہر مرتبہ دو دو کے پٹکنا
 عالم تھا یہ اُس دم حرم خاک نشین پر
 تسبیح کرے ثبوت کے جس طرح زمیں پر

یہدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی پلہاں درازی پر طاؤس شب ہوئی
 اور قطع زلف لہلی زہرہ لقب ہوئی معجزوں صفت قباے سحر چاک سب ہوئی
 فکر رفو تھی چرخ ہر مند کے لیے
 دن چار تکرے ہو گیا پیوند کے لیے

یوسف فراق چاہ مہیں ناکہ نہاں ہوا یعنی غروب ماہ تجلی نشان ہوا
 یونس دھان ماہی شب سے عہاں ہوا یعنی طلوع نیر مشرق ستاں ہوا
 فرعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
 دن تھا کلہم اور ید بیضا تھا آفتاب

نہی صبح یا فلک کا وہ چھپ دویدہ تھا یا چہرہ مسیح کا رنگ پودیہ تھا
 خورشید تھا کہ عرش کا اشک چکھدہ تھا یا فاطمہ کا نالہ گردوں رسیدہ تھا
 کہہ نہ مہر صبح کے سونے پہ داغ تھا
 امہد اہل بہت کا گھر بے چراغ تھا

کھا دو سفید فوج خدا ہے ظہور صبح آتی ہے ان کے عقد عبادت میں حور صبح
 رخ سے طلوع مہر، جبوں سے ظہور صبح اک سمت ان کانور ہے اک سمت نور صبح

سر سجده میں، بدن ہے قعود و قہام میں

کھا صبح کی بہار ہے فوج امام میں

آواز ” ارکبوا “ جو ملائک سناتے ہیں غازی نماز پڑھ کے مصلے اُٹھاتے ہیں

تعقیب کی دعائیں مگر پڑھتے جاتے ہیں سجده کو استعانہ مولا پہ آتے ہیں

درپر رکھے جبہلوں کو سب خوشخصال ہیں

ایک آسمان ہے اور بہتر ہلال ہیں

مثل قمر پہ عابد شب زندہ دار ہیں مانند مہر متقی روزگار ہیں

شکلِ فلک رکوع میں لول و نہار ہیں مثل زمیں سجدہ میں یہ خاکسار ہیں

سجھے کی ان کے ہاتھ سے کھا قدر پڑھتی ہے

تسبیح ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھتی ہے

رات

ناگہ بویاہاں میں زلیخاے شب آئی یوسف کی طرح چاند نے کی جلوہ نوائی

طلعت علم کاکشاں نے جو دکھائی خورشید نے بجلی چمکے مغرب میں کرائی

بے نور تھی شب، غم سے شہ جن و ملک کے

کہنے یہ قمر داغ تھا سہنے پہ فلک کے

حضرت عباس کی تلوار

پھر مہیاں سے تلوار مجب دھلگ سے نکلی قل تھا وہ گل فتح کی بو رنگ سے نکلی

لہجے کے لہے جان، صف جنگ سے نکلی یہ سر پہ سواروں کے پتوں رنگ سے نکلی

ہمت ہمت کے صدا موت نے دی فوج ستم کو :

اب خیر نہیں ' آؤ میرے ساتھ عدم کو

کھسی رگ جاں، توغ نے ریشہ کو نہ چھوڑا پہلچے پہ جدو پہلچتی تو تیشہ کو نہ چھوڑا

بے جان لہے، شہروں کے بوشہ کو نہ چھوڑا پر ظالموں نے مکر کے پوشہ کو نہ چھوڑا

سر کت کے گرے، پانو اُٹھانے لگے ظالم؛

آنکھ ایک طرف، جان چرانے لگے ظالم

ہر دم تھی وہ شمشیر دو دم اوج کے اوپر سو بار گری برق ' صف فوج کے اوپر
کے فرد کے سر پر تو کبھی زوج کے اوپر تھا شور کہ ہے سہل فنا موج کے اوپر

ظاہر تھی کبھی اور کبھی آنکھوں سے نہاں تھی

قدرت تھی خدا کی: کبھی یاں تھی کبھی واں تھی

گہ خود کے فانوس میں یہ شمع تھی روشن ' گہ برج سر فوج میں تھی پرتوہ انگن
گہ گردن و گہ سہلۂ اہدا کہا مسکن ' کہ چوشن و بازو ہوئی ' گہ داخل چوشن

پاکہر میں جو پوشہدہ ہوئی ' بال سے نکلی

اُس چال سے نکلی کبھی اس چال سے نکلی

نکلی کبھی مثل معنو چرخ کہن سے گہ زیر زمیں چھپ گئی فردہ کیا دن سے
سن سن چو چلی ' فوج کاجی ہو گیا سن سے سر ہو گئے گردن سے جدا ' روح بدن سے

یہ وصف اسی توغض فضیلتاک میں دیکھا :

گہ غرق زمیں میں ' کبھی افلاک میں دیکھا

شانہ پہ جو چمکی تو بغل سے نکل آئی جاں دہر کے تن زشت عمل سے نکل آئی
گہ حُر کی طرح فوج دفل سے نکل آئی دریا میں چوتھری توجہل سے نکل آئی

ہلتی تھی زمیں ' گار زمیں کانپ رہی تھی :

ساتھ اُس کے جو پھرتی تھی اجل ہانپ رہی تھی

ہر بار نگی چال ' نہا طور ' نہا ڈھنگ اسواروں کو پھدل کیا ' پھدل کیے چورنگ
گہ زمین پہ ' گہ باگ پہ ' اور گہ بہر تلگ گہ تلگ لیا : گاہ لعلوں کا دل تلگ

بل کھاتی تھی گہ اژدر خونخوار کے مانند

اعدا کے گلے میں تھی کبھی ہار کے مانند

تہروں میں جو چمکی صفت کاہ چلایا ہر سمت پڑا تودہ پہلوں کا نظر آیا
پر تہر کا ' شہباز نے سہواً جو ہلایا نکلا تھا نہ گوشے سے کہ جو اُس کو گرایا

دہشت سے فراموش سب انداز ہوئے تھے

خود گوشے میں پٹھان قدر انداز ہوئے تھے

شمشیر علمدار تھی یا فصل بہاری جنگل ہوا گلزار وہ چشے کیے جاری
زخموں سے بنائے ہجر گل قد ناری اک ایک روہں باغ کی لاشوں سے سوار

پانی کے عوض خون کی اک نہر رواں تھی

ظاہر میں بہار اور وہ باطن میں خزاں تھی

تہنوں پے پڑی تہنؑ تو تہنوں ہوئیں آریؑ آری ہوئیں تہنیںؑ تو ستمگر ہوئے عاریؑ
 عاری ہوئے ناریؑ تو ہوا سر اُنہیں بہاریؑ بہاری ہوا جب سرؑ تو سبک ہو گئے ناری
 ناری تھے سبک اِس سے کہ سر دور تھا تن سے
 سر دور تھا تن سے کہ قدم اُٹھتے تھے دن سے
 آئی جدھر اک سہل بہانی ہوئی آئی سب کو کلمہ اپنا پڑھانی ہوئی آئی
 واہ سقر و نار بتانی ہوئی آئی ہر فرد کے چہرے کو معانی ہوئی آئی
 تہیں ہر چہرے کی شمعیں جو روشن وہ بجھا دیںؑ
 دیواریں صفوں کی جو کھڑی تھیںؑ وہ گرا دیں
 مغر سے اُتر چھوٹتیؑ گردن میں در آئی گردن سے بڑھیؑ سینے دشمن میں در آئی
 سہلے کو کھا چاکؑ تو چوشن میں در آئی چوشن سے چونکلیؑ تو وہ توسن میں در آئی
 توسن سے جو اُترتیؑ تو نہ پھر دن میں کہیں تھی
 واں تھیؑ نہ جہاں گاؤں زمیں تھیؑ نہ زمیں تھی

رباعیات

جو روضے میں باریاب ہو جانا ہے وہ آج میں لاجواب ہو جانا ہے
 جلتا ہے جو شب کو قبر حیدر پے چراغ وہ صبح کو آفتاب ہو جانا ہے
 خورد شد سرِ شام کہاں جاتا ہے روشن ہے ”دبھر“ پر جہاں جاتا ہے
 مغرب ہی کی جانب کو ہے قبر حیدر یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے
 میزبان سخنِ سنج میں تلتا ہوں میں فکرِ گہرِ نظم میں کھلتا ہوں میں
 دل دھتا ہے بلند قفلِ ابجد کی طرح جب حرف شناس ہو تو کھلتا ہوں میں
 گلشن میں صبا کو جستجو تھری ہے بلبل کی زباں پہ گفتگو تھری ہے
 ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا جس پہول کو سونکھتا ہوں ہو تھری ہے
 ہم شانِ نجف نہ عرشِ انور تھہرا میزبان میں یہ بہاری وہ سبک تر تھہرا
 اِس پلے میں تھا نجف اور اُس پلے میں عرش پہنچا وہ فلک پر یہ زمیں پر تھہرا
 کہتی ہے زمیں ہمسرِ عرش آج میں ہوں زیرِ قدم صاحبِ معراج میں ہوں
 آوازؑ لبِ فرش سے ہوتی ہے بلند طوطا یہ ہے سب پہ عرش کا تاج میں ہوں

عشق

آغا سہد حسین مرزا ”عشق“ لکھنؤ کے رہنے والے، مہر انیس اور مرزا دبیر کے ہمعصر، مرزا انس کے بھتیے اور شاکر تھے [۱]۔ مرثیے کے علاوہ اور اصناف سخن میں بھی مشق بہم پہنچائی تھی۔ ان کے مرثیوں کا مجموعہ دو جلدوں میں چھپا ہے، جو سلام، نوے اور مرثیے کے تمام اصناف پر حاوی ہے۔ ۱۲۸۳ھ تک زندہ تھے [۲]۔

یہ اپنے مرثیوں میں اکثر صنائع و بدائع کو اس خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ آورد کا رنگ معلوم نہیں ہوتا۔ معمولی بات، غیر معمولی اہتمام سے بیان کرتے ہیں، جا بجا الفاظ کی کثرت ہوجاتی ہے لیکن معمولی نقص پیدا ہونے نہیں دیتے۔

سوانحی

مناجات

سنبھال، دونوں جہاں کے سنبھالنے والے معین، کوہ مصیبت کے ٹالنے والے، مفر، نجات کی صورت نکالنے والے، نباہ دے مجھے، اے مہرے پالنے والے رحیم کون ہے تجھ سا بھلا جہاں جاؤں
بغا مجھے ترے در کے سوا کہاں جاؤں

تعلی

ایک قطرہ درِ خوش آب ہوا داغ بے نور مہتاب ہوا
ذکر مہر ابو تراب ہوا عشق ذرے سے آفتاب ہوا
کیا اندھیرا فروغ نور بنا؟
تھا شرارہ، چراغ طور بنا

[۱]—تاریخ ادب اردو ص ۳۳۲ ج ۱ و سخن شعرا ص ۳۲۲۔

[۲]—کلیات منیر ص ۲۰ مطبوعہ ۱۲۹۶ھ میں ۲۱ صفر ۱۲۸۳ھ کا ایک خط ان کے نام کا

موجود ہے۔

شکر خدا کہ عجز میں ہم لا جواب ہیں
 پھرو غرور کی ہیں ادب کا شباب ہیں
 ذروں کا جس کو پاس ہے وہ آفتاب ہیں
 کہوں کر نہ ہوں، [۱] کہ خاک در ہو تراب ہیں
 تکلف سر اٹھا کے نہ دیں خار کی طرح
 دشمن سے چھک کے ملتے ہیں تلوار کی طرح

مقتبہ

اقبال شمع دیں کے ہما ہیں علی اکبر
 چشم گل زہرا کی ضیا ہیں علی اکبر
 سب کہتے ہیں کیا جانہے کیا ہیں علی اکبر
 ہے منجھ کو یقین نور خدا ہیں علی اکبر
 رخسار ہیں یا مصطفیٰ پر نور کہلے ہیں
 دادا کی طرح عقدہ کشائی کو تلے ہیں

حضرت علی اکبر کا سراپا

ذکر شب معراج ہے افسانہ گیسو زیبہ ہے اکر چاند بنے شانہ گیسو
 سہل ہے پریشان کہ ہے دیوانہ گیسو ہے کاکشاں جلوۂ کاشانہ گیسو
 ہوں وصف یہاں، یہ کسے ارمان نہیں ہیں؟
 اعمال شب قدر کے آسان نہیں ہیں

کہا چشم ہے، یارا نہیں شہروں کو نظر کا
 اس آنکھ سے پردہ نہیں کچھ نیکی و شر کا
 ہے نور عجب مردِ مک چشمِ قمر کا
 آفوش میں آہو کے ستارا ہے سحر کا
 ملہ زرد ہے نرگس نگراں ہے جو تعب میں
 دیکھا ہے، ان آنکھوں کو مگر میں فطب میں

شبِ کور، بصارت کا سہارا انہیں سمجھیں
 مڑگل سے جفاکھش صفِ آرا انہیں سمجھیں

خوش چشم جہاں جان سے پیارا انہیں سمجھوں
سب اہل نظر آنکھ کا تارا انہوں سمجھوں
و انوں کو نہ ہوں بلند وہ کالی ہوں یہ آنکھوں
آسرا خدا دیکھنے والی ہوں یہ آنکھوں

حضرت علی اکبر میدان جنگ میں جاتے ہیں
مہتاب سے اختر کی جدائی کا بھان ہے شہر سے اکبر کی جدائی کا بھان ہے
ہم شکل پیمبر کی جدائی کا بھان ہے رشک مہ انور کی جدائی کا بھان ہے
پر گرد ہیں کھڑے پسر شہر خدا کے
اُٹھے ہوں لحد اصغر ناداں کی ہڈا کے

دشمن اشتعال دیتے ہیں

کچھ آج زور فائنح خیمہ دکھائوہ برق حسام اے مہ انور دکھائوہ
ناحق ہے عجز تیغ کے جوہر دکھائوہ سبط نبی شجاعت حیدر دکھائوہ
جانا رہا ہے پیاس سے کیا آج تن کا زور ؟
ہاتوں میں آپ کے نہیں خیمہ شکن کا زور

تلوار کی تعریف

شاخ حسام خون سے گل پوہ ہوگئی سر کٹ گئے تو فوج سبکدوش ہوگئی
یعنی ہر ایک آنکھ میں بے ہوش ہوگئی ہر شے کے در سے یاد فراموش ہوگئی
فرق عدو سے موت کا ٹلنا محال تھا
جس پر گری وہ تیغ سنبھلنا محال تھا

مونٹس

مہر محمد نواب ”مونٹس“ مہر انیس کے چھوٹے بھائی اپنے والد مہر مستحسن ”خلوق“ سے مشورۂ سخن کرتے تھے [۱] - مرثیہ گوئی میں کسی طرح اپنے بڑے بھائی سے کم نہ تھے - لیکن گوشۂ نشینی کی وجہ سے مشہور نہ ہوئے - نہایت زود گو تھے - ان کے یہاں ہر مہینے کی چھبیسویں کو مجلس ہوتی تھی جس میں یہ ہمیشہ نیا مرثیہ پڑھا کرتے تھے - پڑھنے کا طرز نہایت موثر اور دلکش ہوتا تھا - مرثیہ کے علاوہ ابتدا میں غزلیں بھی کہی ہیں - ان کے مرثیوں کا مجموعہ چھپ چکا ہے - ۱۲۹۲ھ میں وفات پائی [۲] -

مشکل زمیٹوں میں متحاررے اور زبان کو قائم رکھتے ہیں - سلاموں میں استعارے اور کنائے کی جھلک معلوم ہوتی ہے - انیس اور دبیر کے بعد ان کے مرثیوں میں سب سے زیادہ آمد کی شان اور آورد کی بلندی ہے -

مرثی
تعلیٰ اور حمد

گلگونہ کس عارض لہلہ سخن ہوں
ہر ہفت [۳] کن چہرۂ سلماے سخن ہوں
دلدادۂ حسن رخ زیبائے سخن ہوں
خود شہختہ زلف چلہائے سخن ہوں
کہا حسن دکھائے ہیں بےجان چکل [۴] اپنا
یہ ہے وہ سلسل کہ مسلسل ہے دل اپنا

[۱] - سخن شعرا - ص ۲۷۴ - [۲] - تاریخ ادب اردو، ص ۳۲۲ - ج ۱ -

[۳] - ہر ہفت، کنایہ از زیب و زینت مہوما و آرائش و زینت ہفتگانہ خصوصاً (یعنی ساتوں

سنگار) - بہار عجم -

[۴] - چکل یکدہن، ف، شہرست بہ ترکستان منسوب ہواں جا را چکلی گویند و بطرب

روئی و تیر اندازی معروف اند - فرہنگ انفرادی -

خوبان جہاں سب مہیں یہ سب مہیں ہے یہی خوب
 پہارا ہے یہی روح کو ' جاں کو یہی مطلوب
 مطبوع یہی طبع کو ' دال کو یہی مرغوب
 معشوق کا معشوق ہے ' مستحب کا مستحب
 دیکھا ہی کرے چشم کو منظور یہی ہے
 فلماں یہی ' رضاں بھی یہی ' حور یہی ہے

یارب تری قدرت کی یہ سب جلوہ گری ہے
 یہ خشک زراعت تری رحمت سے ہری ہے
 تھوڑے ہی کرم سے مرے گلشن مہیں تری ہے
 درویش کی جھولی گل جلت سے بھری ہے
 اب فکر ہے کہا ہدیہ مقبول لہے ہوں
 رنگوں چمن نظم کے مہیں پھول لہے ہوں

تعلیٰ

اے دستِ قلم ' شانہ کش زلف سخن ہو اے تختہ قوطاس سخن [۱] رشک چمن ہو
 اے شمعِ زباں ' روشنیِ بزمِ حسن ہو اے شاہدِ مفسوس ' نئے جلوے سے دلہن ہو
 اک حور سراپا متعلیٰ [۲] نظر آئے
 ہر نقطے کے گھونگٹ مہیں تجلی نظر آئے
 گلگونہ رخسار سخن ہے ترا جلوہ لفظوں [۳] کے لہجے حُسنِ حسن ہے ترا جلوہ
 تڑپنِ عروسان چمن ہے ترا جلوہ دل جس پہ ہے شہدا وہ دلہن ہے ترا جلوہ
 خالی جو تجلی سے ہو وہ طور نہیں ہے
 بے نور ہے مجلس جو ترا نور نہیں ہے
 اے جانِ جہاں ' جان ہے تو نظم کے تن کی رونق ہے ترے نور [۴] سے اس نازِ چمن کی
 تجھ سے چمک قافیہ سلجانِ زمیں کی گر تو نہ ہو ' پوچھے نہ کوئی بات سخن کی
 کچھ نظم کی توقیر نہ ہو ' شان نہ ہووے
 پھر خاک ہے قالب مہیں اگر جان نہ ہووے

منقبت

تاج سر سخن ہے شہ "افتی" کی مدح حسن رخ کلام ہے مشکل کشا کی مدح
لفظوں کا نور ہے اسد کبریٰ کی مدح خلعت ہے حرفِ حرف کا دستِ خدا کی مدح
جب تک زبان دہ صفت مرتضیٰ کرے
ہلبل وہ خوہں نوا ہے جو گل کی ٹڈا کرے

شہرِ خدا ' شجاعِ عرب ' شاہِ نامدار نورِ میہوں ' چراغِ ہدایت ' فلکِ وقار
فیاضِ خلق ' صاحبِ مہمِ ذوالفقار ' آدم کا فخر ' حضرتِ عیسیٰ کا افتخار
مولد ملا تو خالق اکبر کا گھر ملا
کعبہ صدف بڈا تو علی سا گھر ملا

مناقبِ اہل بیت

ایک سے ایک جو خوشرو تو حسین ایک سے ایک
سبزہ رنگوں میں زیادہ نمکوں ایک سے ایک
رشتہ واحد یہ فزوں در تمہیں ایک سے ایک
صورت دانم تسبیحِ قرین ایک سے ایک
شور تھا لاکھ پہ بھاری ہیں جو ہوں سو ایسے
اللہ اللہ امام ایسا ہو پھر ایسے
صادق القول ہیں ' نامی ہیں ' نمودار ہیں سب
سجدے تیغوں سے کریں گے یہ وہ جوار ہیں سب
حافظ و متقی و زاہد و ابوار ہیں سب
کہوں نہ ہو مصحفِ ناطق کے نمکفوار ہیں سب
آیتوں دین کی ہیں [شہادت] باری ہیں
کہ دے قرآن بتلفِ خود کہ یہی قاری ہیں
وہ عبائوں مدنی اور وہ قبائوں عربی
مکی و فاطمی و ہاشمی و مطاہی
صاف پوشانیاں ' آنہٹ عالی نسب
رشتہ دارانِ علی [شیعہ] آلِ نبی
ایک تسبیحِ امامت کے یہ سب دانے ہیں
اُسی تسبیح کے شمسے ہیں جو پھگائے ہیں

سورۃ حمد ثناخوان ہے زہے عزت و جاہ
 سورۃ قدر ہے تو تہذیب سے ان کی آگاہ
 ان کی تکبیر کا کیا ذکر ہے ' سبحان اللہ !
 ہے شہد بھی شہیدوں کی عبادت پہ گواہ
 بہتہتے تھے تو قعود ان سے شرف پاتا تھا
 ان کی تعظیم تمام اُتھ کے بجائے لانا تھا
 عین الطاف سے کرتا تھا نظر رب جلیل
 کبھی تکبیر تھی لب پر تو کبھی تھی تہلیل
 دم و اطمینان و مد و ہمس و [صفہ] و ترتیل
 وہ قرأت کہ عرب میں بھی نہ تھا جس کا عدیل
 مرہش پر ملتے تھے قدسی شہدا کی باتیں
 تھے تو بلندے پہ زباں پر تھیں خدا کی باتیں

حضرت علی اکبر کی مقبلیت

اے طبع رسا ' صہقل شمشیر زباں ہو اے پرچہ الماس ستن ' نور فشاں ہو
 اے شمع ذکا ' روشنی بزم جہاں ہو اے مو قلم ' اُٹھنے کاغذ پہ رواں ہو
 ہر چشم کو صورت نظر آجائے نبی کی
 تصویر کھینچے صاف رسول عربی کی
 انہیں ڈریا سے قلم باج ستاں ہے کاغذ ورق مہ کی طرح نور فشاں ہے
 نقطہ پر یہ درخشندہ ستاروں کا گماں ہے حسن رخ ہمشکل محمد کا بھان ہے
 وہ حسن کہ خورشید بھی پروانہ ہے جس کا
 مصباح دل انجمن انسانہ ہے جس کا
 وہ نور جو ہے نور مہیں خاق مہیں مشہور اُس نور کے ہمشکل کی تصویر ہے منظور
 ہاں برق [ا] قلم ' قطع ' ہوشاخ شجر طور اور حل ہو سہاگی کے عوض مردمک حور
 [شجر عرف] کی جا سرخی روئے شفق اُٹے
 خورشید درخشاں کا طلائی ورق اُٹے

حضرت زینب کے پسر

زینب کے بھی کہا صاحب اقبال پسر تھے
دونوں چمنستان و فسا کے گل تر تھے
کہنے کو وہ لڑکے تھے یہ شہروں کے جگر تھے
فدروں میں تھے خورشید ستاروں میں قمر تھے
عاشق تھے دل و جاں سے امام ازلی کے
دو گوہر زایاب تھے رشتے میں علی کے

لاکھوں برس ایسے گل رعنا نہیں ملتے
موتی تو بہت پر در یکتا نہیں ملتے
اسباب حشم خلق میں کہا کیا نہیں ملتے
لیکن یہ جواہر کبھی اصلا نہیں ملتے
اب تک نہ کسی صاحب اقبال نے پائے
یہ لال فسق فاطمہ کے لال نے پائے

حضرت علی کا نام

نام خدا، یہ نام ہے شمع سوراخ دل
سینہ ہے کوہ طور تجلی ٹھکانے دل
دکھ میں دوائے دل ہے مرض میں شفاء دل
دل اس کے واسطے یہ علم ہے براے دل
کرسی کے ساتھ رفعت عرش بریں بھی ہو
نام علی ہو نقش تو اعلیٰ نگین بھی ہو
ہر درد و غم میں باعث آرام ہے یہ نام
کھف الانام دافع آلام ہے یہ نام
ورد ملائکہ مسخر و شام ہے یہ نام
اعظم جو سب میں نام ہے وہ نام ہے یہ نام
تائید اس کی یوسف کنعان سے پوچھے
اس نام کے اثر کو سلیمان سے پوچھے

صبح کا نور

آمد وہ آفتاب کی اور وہ سعد کا نور کافور ہو گیا تھا فلک پر قمر کا نور
 بالا تھا نخل طور سے ہر اک شجر کا نور پھیلا تھا چاندنی کی طرح دشت و درکانور
 فلجیوں کے منہ جو صبح نے شبنم سے دھوئے تھے
 گویا گلوں نے عطر میں چہرے ڈبوئے تھے
 بستان کرپلا کی وہ بو یاس وہ بہار مرغان خوشنوا کا چہکنا وہ ہار ہار
 کوکو وہ قدریوں کی ' وہ طاؤس کی پکار نالے وہ ہلبلیوں کے ' وہ سبزہ ' وہ لالہ زار
 کرتے تھے وجد کبک لڑی کوہسار میں '
 بن میں فزّال متھو تھے ' ضیغم کچھار میں

حضرت عون و معبد کی جنگ

بڑھ بڑھ کے پھر نکلیں نے جلدی جمائی صف
 جھک جھک کے پھر اُٹھے علم فوج ہر طرف
 پھر ' نافرمانک پہنچ گئی آواز کوس و دف
 پھر فوج میں دھڑسے اسد بھشہ نجف
 جاتے تھے نعرے مار کے یوں ہر سوار پر
 جس طرح شہر بھوک میں جھپٹتے شکار پر
 ہلچل پروں میں پڑ گئی ' قازی جدھر گئے
 اُٹھوں صفوں صفوں پہ ' نمازی جدھر گئے
 کھپلا شکار ' شہر حجازی جدھر گئے
 اک تازہ آفت آگئی ' نازی جدھر گئے
 کھونکر آریں نہ ہوش ' جب ایسی ہوا چلے ؟
 ہرنوں کا زور شہر کے بچوں سے کیا چلے ؟

وہ نہمچے چمک کے برابر جدھر چلے دو کر دیا اُسے اُسے چورنگ کر چلے
 ہر میں لباس سوج پہن کر نکھر چلے کاتر انکا کھل گیا کہ یہ جس فرق پر چلے
 دامن بچا سہر کا ' نہ چھوڑا کمالد کو
 مقرض بن کے قطع کیا بلد بلد کو

حضرت عباس کی جنگ

یہ سن کے بڑھے سب قدر انداز قضا را نعرہ اسد حیدر گراا نے مارا
صحرایے پر آشوب لگا کونجئے سارا معلوم ہوا شہر ' نوستان میں ڈکارا
اُڑتے ہوئے مرفغان چمن دشت سے بھاگے
صحرایے سے چلے شہر ' ہرن دشت سے بھاگے
پڑھتے تھے کہ دھوار کی گردن پہ لگا تھو آنا تھا ادھر سن سے کہ توسن پہ لگا تھو
کھینچتا اُسے گردن سے کہ جوشن پہ لگا تھو پھر تاب کہاں ' شہر کے جب تن پہ لگا تھو
اُس خشم میں پُر خشم فزون ہو گئیں آنکھیں
کلوں [۱] کا لہو دیکھ کے خوں ہو گئیں آنکھیں

تلوار

کس گر و فر سے فوج پہ توغ جری چلی ہر سر پہ کھیلتی ہوئی گویا پری چلی
خشکی پہ کم [۲] چلی کبھی سوئے تری چلی خالی کیا صفوں کو لہو میں بھری چلی
ظاہر تھی بانکپن سے کجی ' رنگ لال تھا
تلوار تھی کہ خوں کی شفق میں ہلال تھا

زیر سپر آزا کے کلائی نکل گئی چار اُٹے میں برق سی آئی ' نکل گئی
فولاد کو دکھا کے صفائی نکل گئی دل میں لگی ' جگر میں سمائی ' نکل گئی
جوشن میں بھی تھما نہ گھا اُس حسام سے
یوں نکلی جھوسے ماہی بے آب دام سے

دکھلا رہی تھی توغ دو دم تہیز دستیاں چشمک پہ تھی کہ اور کرو بت پرستیاں
کافر شراب کفر کی بھولے تھے مستیاں غل تھا آج کل میں گئی شہروں کی بستیاں
کہتے تھے اب نہ پانوں نہ قابو میں ہاتھ ہے
جائیں کدھر ' فلیم اجل ساتھ ساتھ ہے

بجلی سی کوندتی کبھی ہالوں پہ چل گئی بیٹھی ادھر تو برجھوں والوں پہ چل گئی
توغوں پہ کھ چلی کبھی تھالوں پہ چل گئی کہ پیدلوں پہ ' گاہ رسالوں پہ چل گئی
تائیوں تھی جو فانج بدر و حنین کی
لشکر میں شور تھا کہ دھائی حسوں کی

وہ تیغ کیا بڑھی اجل جاں ستاں بڑھی یا اڑدے کے ملتے سے نکل کر زباں بڑھی
یا برق 'ابر سے طرف آسمان بڑھی یا سیل 'کوا سے سوئے آب رواں بڑھی

دیکھی نہ جائے امن جو دارالفساد میں

خالۃ کی شہسوار نے گاتھی جہاد میں

یوں مہمان سے ہوئی وہ جلالت قریں جدا فل تھا کہ دست برگ سے ہے آستیں جدا

تن سے جدا ہے روح 'مکمل سے مکمل جدا معلم جدا ہیں آیت فتح مہوں جدا

دخ سے وہ ہمت گئی جو ردا تھی رکی ہوئی

گوپا دلہن [محضانی] سے نکلی چھکی ہوئی

جب سرکشوں نے تیر لگائے جلاب کو نولا چری نے ہاتھ میں تیغ خوہں آب کو

لے دم 'یہ تاب کب تھی پھر اُس برق تاب کو دیکھا اُٹھا کے سر 'سپر آفتاب کو

چمکی تو "یا حفظ" ملک کہ کے ہمت لگے

[تہرا] کے سب خطوط شعاعی سمت لگے

بھڑکی اک آگ 'برق جدھر آئی تیغ کی تھلڈا تھا 'جس نے گرم ہوا کھائی تیغ کی

وہ صف درو 'وہ معرکہ آرائی تیغ کی تھی درو سے اجل بھی تماشائی تیغ کی

قبضے میں موت تھی 'تو اجل اختیار میں

بسمل بھی لوٹتے تھے مزا تھا یہ وار میں

جدھر میں 'کس میں 'کات میں 'والجواب تھی فاری جو آگ تھے تو وہ شمشیر آب تھی

بڑھنے کی برجھوں کو نہ تہروں کی تاب تھی بے چلہ ہو کمان کھانی خراب تھی

افتادہ تھیں زمیں پہ سناہوں نئی ہوئی

خلجور دکھا وہ تھے زبانوں گئی ہوئی

کٹ جائے جب زباں 'تو بشو کام کھا کرے؟ زیں سے نہ کھلچ سکے 'تو تہر کام کھا کرے؟

بجلی کرے 'تو مغفر سر کام کھا کرے؟ تیغ اجل کرے 'تو سپر کام کھا کرے؟

موت آئے جب 'تو قلعة آہن بھی ھچ ھ

چار اُٹھنے بھی ھچ ھ 'جوشن بھی ھچ ھ

اُس قول میں موت آئی جدھر آگئی تلوار دھالوں کی کھتا فرق سے سرکا گئی تلوار

اک دم میں لہو خاک پہ برس آگئی تلوار جو آگیا قبضے میں اُسے کھا گئی تلوار

نہی ختم صفائی زبیں اُس آفت جاں پر

دیکھاتو نہ مذہ پر کہیں خون تھا نہ زباں پر

حضرت عباس کا گھوڑا

ستھراؤ کر دھی تھی اُدھر تیغ سربلند
 پیامال کر رہا تھا اُدھر فوج کو سمند
 گردش تھی اُس کی آہوے خورشید سے دو چاند
 سرعت سے جست و خیز سے دم تھا پری کا بلند
 جس پر دکھا جھپٹ کے قدم وہ فلنا ہوا
 پھرتا تھا فوج شام میں بجلی بدلا ہوا
 چمکے چو نعل، تیغ چکاروں پہ چل گئی
 شوخی سب آہوان ختن کی نکل گئی
 چاروں سموں سے اُس کے صبا منہ جو مل گئی
 سمٹا لیا بدن کو، کلوٹی بدل گئی
 اُڑنے کا تھاقت دیکھ کے پریاں اُچھل پڑیں
 سہلے سے منہ ملا دیا آنکھوں نکل پڑیں
 دو مل کے چمکچو اُڈر اُٹے پے نہر
 جولاں کیا دلہر نے رخس جہاں نور
 بس ایک ضرب تیغ میں دونوں تھے گرد ہر
 بسمل اُدھر یہ گرم زمیں پر اُدھر وہ سرد
 گرتے ہی بلند جامہ ہستی کے کھل گئے
 معنی ہر اک پہ تیغ دو دستی کے کھل گئے

گھوڑا

غل تھا پری خصال ہے شیدیز برق [ناز]
 تھمتا نہیں زمین پہ، اللہ دے، تیرا ناز
 طاؤس دشت میں، تو ہوا پر ہے شاہباز
 بجلی کی ہے تڑپ وہ جواہر نگار ساز
 نوری کا حسن چہرے سے پھدا ہے گرد مہں
 تصد الصدک کو باندھے ہے رستم نہر مہں
 پاکہر ہے آہلی، کہ ہے جوشن مہں جسم سام؟
 لہلی کے دونوں ہاتھ مہں گردن مہں، [ہا] لگام

دُخشاں رکاب ہے ، کہ ہلال فلک مقام ؟
 اُتلا ہو تہز گم ، فرس کا نہیں یہ کام
 اُڑنا سمیت سمیت کے قریب ہے شہر کا
 آہو کے ہاتھ پانوں میں ، سینہ ہے شہر کا
 بکھرے ہوئے ایال کے گردن پہ بال تھے
 صاؤس سرنگوں تھے پریشاں غزال تھے
 ایترو تھے مورچے ، تو پرے پائمال تھے
 خوں کی حلقا سے [زبانوں] کے پانوں لال تھے
 تھکتا نہ تھا کہ اُس کے قدم راہ حق میں تھے
 نعلوں کی فو سے چار مہ نو شفیق میں تھے
 جب دور دور ہٹ گئے نزدیک سے عدو
 تھہرا فرس کو روک کے دم بھر وہ نہکتو
 ناکہ وہاں سے ایک سلسلہ شور چلک جو
 آیا اُڑا کے رخصی کو اکبر کے رو برو
 نعرہ کیا کہ دستم و شہراب و سام ہوں
 میں یکے تاز فوج دلہران شام ہوں

جناب امام کا سر

اُس وقت پہنچی زمیلب ناشاد [و] نوحہ گر
 جب شہر ہاتھ میں لھے جاتا تھا شہ کا سر
 بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلفیں اُدھر اُدھر
 دُخسارے دونوں زرد تھے اور ہونٹ خوں سے تر
 تھی خاک ، سجدة گاہ چہیں پر حسرت کی
 آنکھیں کھلی تھیں فاطمہ کے نور عین کی
 قرآن پڑھ رہا تھا سر ابن بو تراب
 اور دیس میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
 روشن تھا بعد قتل بھی رخ مثل آفتاب
 ظاہر تھا یہ لبوں سے کہ پایا نہیں ہے آب
 آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دنیا سے جاتے ہیں
 ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا مسکراتے ہیں

بے وطنی

انساں کے لئے موت ہے غم بھوطلی کا
 جاناکا ہے اندوہ و الم بھوطلی کا
 صدمہ نہیں کچھ موت سے کم بھوطلی کا
 آفت ہے قیامت ہے ستم بھوطلی کا
 غربت میں چمن ہے خس و خاشاک سے بدتر
 گر تخت سلیمان ہو تو ہے خاک سے بدتر
 ہمراہ جو سو طرح کی راحت کا ہو سامان
 پڑمردگی دل نہیں جانی کسی علوان
 پھرتا ہے نظر میں چمن بزم عزیزاں
 ہوتا ہی نہیں غلچہ خاطر کبھی خنداں
 ہر گام پہ چشموں سے چھلک پڑتے ہیں آنسو
 شبنم کی طرح رخ پہ ٹپک پڑتے ہیں آنسو
 یہ حال مسافر ہی پہ کچھ خوب ہے روشن
 بلبل بھی پھوکتی ہے جو چھتتا ہے نشوون
 یاد آتی ہے آسودگی راحت مسکن
 ہو جانا ہے دافوں سے جگر غیرت گلشن
 سیچ ہے کہ غم بھوطلی سخت الم ہے
 پھر آنے کی اُمید نہ ہو جب ' تو ستم ہے

سلام

مزا نہیں ہے خموشی کا خوش بھان کے لئے
 زباں سخن کے لئے ہے سخن زباں کے لئے
 نہ سوئے رات کو امت کے غم سے ختم رسل
 محافظت میں کہاں نولڈ پاسپاں کے لئے ؟

ریاض دھر میں ہم مثل سرو ہیں آزاد
 سوائے بے ثمری کچھ ثمر نہیں رکھتے
 ہنر کو عیب سمجھتے ہیں اس زمانے میں
 ہزار شکر کہ ہم کچھ ہنر نہیں رکھتے

مسافران عدم کس طرف گئے پیارب ؟
کہ وہ ہماری ' ہم اُن کی خبر ' نہیں دیکھتے

ہمدرد سلک گھر ' اے دیدہ تر ' کہول دے
اہر نھساں پر برس کے اپنے جوہر کہول دے
گور ہوا ' بلند نقاب روے سرور کہول دے
گور مادر زاد ' آنکھیں مثل اختر کہول دے
تھرگی ظلمات کی کیا تھی سواہی اِس کی آنکھ
قبر ہے یہ قبر ' آنکھیں ' اے سکندر کہول دے
دست قدرت ہے کسی کا یہ کہ پھر باندھے اُسے ؟
جس گہ کو ناخن تدبیر حیدر کہول دے

تمام عمر تو بیداریاں دھیں افسوس عدم کو قافلہ جانے لگا تو خواب آیا
سفہد بال چمکے لگے تو چونکے ہم کھلی تب آنکھ کہ جب سر پر آفتاب آیا

خود نمائی تلگ ہے روشن دلوں کے سامنے
کس طرح ظاہر کرے باطن کا [۱] جوہر اُٹھ

حشر تک اُن کی چمک میں نہ زوال آئے گا
دیکھ ' اے چاند ' مرے آنسوؤں کے تاروں کو

کدھر تلاش کریں تم کو ' اے عدم والو '
کہاں گئے ؟ کہ کہیں نقش پا نہیں ملتا

اندلی اعلیٰ سے بڑھ گئے ہیں ' قطرے دریا سے بڑھ گئے ہیں '
کم ظرف حباب ہیں یہ سرکش بے مغز ہوا سے بڑھ گئے ہیں

خلی دل کی بے چہن دیکھتی ہے ' پیارب '
یہ کانتا نکل جائے پہلو سے میرے

دیکھ عہد سے ذرا گور فریباں کی طرف
استخوان قبر کے اندر ہیں ' تو پتھر باہر

سلامی جس کو سمجھتے ہیں سب کہ ماہ یہ ہے
 نشان کنھں رسول فلک پناہ یہ ہے
 کیا ہے چرخ چہارم نے تاج سر جس کو
 سر بلال کی اُتری ہوئی کلاہ یہ ہے
 جہاں مہن زیست ہے اک دم کی روشنی ”مونس“
 ہمیشہ اس کو سمجھ شمع صبح گاہ یہ ہے

گرچہ مالدکداں گوشہ نشین ہے ”مونس“ تھر آہوں کے نکل جاتے ہیں اکثر باہر
 فیض خاموشی نے ذکر خوش بیانی کر دیا ہر سر مو کو زبانِ بے زبانی کر دیا
 آئی ہالوں مہن سفیدی ، تاکجا یہ غفلتوں ؟
 ”مونس“ اب چونکہ آ پہنچا ہے سر پر آفتاب

رباعیات

مولا یہ ظہور سب ہے دم کا تھرے خورشید نشان ہے قدم کا تھرے
 کہتے ہیں بہشتی جسے نہر کوثر اک قطرہ ہے دریائے کرم کا تھرے
 ضائع نہ کر آفریں کے پالے دل کو ؛ کرتے ہیں پسند درد والے دل کو
 منظور اگر ہے زاد راہ عقیدتی سب چھوڑ کے دنیا سے اُٹھا لے دل کو
 تھر قم شہ سینے مہن پھوسختہ ہے ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے
 ہر رنگ کے دل جمع ہیں اس محتفل میں یہ بزم عزا خلد کا گلدستہ ہے
 خاموشی مہن یاں لذت گویائی ہے آنکھیں جو ہیں بلد عین بیہائی ہے
 نے دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد مرتد یہ عجب گوشہ تنہائی ہے

نفیس

مہر خورشید علی "نفیس" مہر انہس کے بڑے پیارے نہایت مفکرمزاج، قابل اور خوش گو شاعر تھے۔ اردو میں اپنے والد مہر انہس ہی سے اصلاح لیتے اور فارسی میں مفتی مہر محمد عباس سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ ان کے مرثیوں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ۸۵ برس کی عمر میں ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۱ء) میں وفات پائی [۱]

صفائی اور روانی میں مہر انہس کا رنگ چھلکتا ہے، زبان نہایت صاف اور سلیس ہے۔ بیان میں شگفتگی اور تسلسل پایا جاتا ہے۔ توانی بہت لاتے ہیں، مہر انہس کی طرح ان کے مرثیوں میں بھی بلند والا شعر اکثر بہت بلند ہوتا ہے۔

سرافی

تعلیٰ

اُس سے کاموں نوشندہ ہوں مستی نہیں جس میں
حاصل وہ بلندی ہے کہ پستی نہیں جس میں
آوارہ صحرا ہوں گوستی [۲] نہیں جس میں
اُس ملک میں بستا ہوں کہ پستی نہیں جس میں
رنجش نہیں، کھٹکا نہیں، آزار نہیں ہے
اُس باغ کا بلبل ہوں جہاں خار نہیں ہے

۱۔ تاریخ ادب اردو ص ۳۴۲ ج ۱۔ و تذکرۂ آب بقا - [۲]۔ ند (کا ہستی)۔

سرگشتہ و شہیدائے مصیبت ہوں ازل سے
 آلودہٴ رنج و غم و مصیبت ہوں ازل سے
 باشکستہ ویرانہٴ زحمت ہوں ازل سے
 مستغرقِ دریائے مصیبت ہوں ازل سے
 سب رو دیے [۱] جب میں نے دمِ سرد بہرا ہے
 رگِ رگ میں مری 'خوں کے عوض درد بہرا ہے
 وحشتِ دلِ عالم کو ہے ویرانے سے میرے
 آرامِ زمیں کو نہیں گھبرانے سے میرے
 راحت سے کوئی دل نہیں غم کھانے سے میرے
 بلبل کا جگر چاک ہے چلانے سے میرے
 وہ کون سے گل ہوں جو پریشاں نہیں ہوتے
 فلچے بھی مجھے دیکھ کے خلدیں نہیں ہوتے

رجز

دن سے اسد اللہ کے پھارے نہیں ہتھے
 گردوں پہ جو ثابت ہیں ستارے نہیں ہتھے
 اشرار کو بے جان سے مارے نہیں ہتھے
 بڑھتے ہیں تو پھر پانو ہمارے نہیں ہتھے
 دے جن کو خدا اوج وہ جھکتے ہیں کسی سے ؟
 بہتے ہوئے دریا کہیں رکتے ہیں کسی سے ؟

حضرت علی اکبر کا سراپا

بخشی ہے خدا نے انہیں توقیرِ محمدؐ
 گیسو ہیں کہ ہے زلفِ گہرِ محمدؐ
 چہرہ ہے کہ آنکھیں تصویرِ محمدؐ
 باتوں میں ہے رنگینِ تقریرِ محمدؐ
 شوکتِ وہی [پوششِ وہی] دستور [۲] وہی ہے
 نقشہٴ وہی 'اندازِ وہی' نورِ وہی ہے
 کھسورے دل آویز ہیں یا سہیلِ جلت؟ یہ روئے دل افروز ہے یا صبحِ صباحت؟

رخسار ہوں یا جلوۂ آئینہ قدرت ؟ آنکھیں ہیں کہ سرچشمۂ اعجاز و کرامت [۱]؟
طالب نہیں پانی کے ، چھا مہر دھن ہے
یہ آنکھ میں پتلی نہیں گھونگھٹ میں دلہن ہے

آمادی جنگ

بچوں نے آستینوں کو اُلٹا جلال میں کچھ نشوت سپاہ نہ لائے خیال میں
یوں نیمچے علم کیے جنگ و جدال میں دو بجلیاں چمک گئیں دشت قتال میں
آمادۂ نبرد جو دونوں جری ہوئے
شکلیں بلما بلما کے فرس بھی پری ہوئے
دو بجلیاں سی کووند گلیں دن میں دو طرف فل "الامان" کا تھا صف دشمن میں دو طرف
سر لوٹتے تھے خاک پہ اُس بن میں دو طرف تھا طرفہ تفرقہ سر و گردن میں دو طرف
پیدل میں تھی نہ جان ، نہ دم تھا سوار میں
ساری صف آدھی ہو گئی پہلے ہی وار میں

تلوار

یہ تیغ وہ ہے سہل فنا کہتے ہیں جس کو
یہ برق وہ ہے قہر خدا کہتے ہیں جس کو
بازہ اِس کی وہ آفت ہے بلا کہتے ہیں جس کو
ملہ اِس کا وہ ملہ ہے کہ قضا کہتے ہیں جس کو
جانی نہیں بے جاں لہے جب آتی ہے سر پر
ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کب آتی ہے سر پر

میدان جنگ

طلحہ و زبر و ہر شور و شہد [۲] کا خروش قرنے کی وہ صدا کہ پھٹیں پردہ ہائے گوش
فوغائے زبر و ہر سے لہو مارتا تھا جوش نے کی صفیر تھی کہ آئے طائروں کے ہوش
سارے درندے شور دھل سے دھل گئے
صحرا کے شہر چہرے کے جنگل نکل گئے
پہم پکارتے تھے نقیبان زشت خو نام آوروں کو دھتی ہے عزت کی آرزو

[۱]—لک (اعجاز کرامت) -

[۲]—شیہر و شیہر ، پر وزن پے نور : نائے رومی ، برہان قاطع و فرہنگ اندراج -

جانہیں لڑا دو آج ، جوانو ، کنار جو موتی کی آب ہے جسے کہتے ہیں اُبرو
 کرلو اسہر یوں انہیں حلقے میں گھیر کے
 جس گھات سے پکڑتے ہیں بچوں کو شہر کے

رہواروں کی تعریف

جس صف پہ جس پرے پہ یہ گھوڑے ڈپٹ کے آئے
 یوں آئے جیسے شہر گرسنہ چھپٹ کے آئے
 مثل نگرگ ریت پہ سر تن سے کٹ کے آئے
 گھوڑوں سے خاک پر تن بے سر اُلت کے آئے
 سب خاک میں ملے جو غرور اُن کے سر میں تھے
 سہیلوں میں گردنیں تھیں ، تو سہیلے کمر میں تھے

نور

مہر وزیر [۱] ”نور“ مہر بادشاہ لکھنوی کپتان فیروزپور کے بیٹے، فتح پور میں دیوانی کے سررشتہ دار تھے۔ واجد علی شاہ کے زمانے میں امین ہوئے۔ ان کے والد اُس زمانے کے مشہور مرثیہ گو تھے۔ ”نور“ کو ابتدا ہی سے شعر و سخن کا ذوق تھا۔ شیخ امام بخش ”ناسخ“ نے ”نور“ کو تخلص تجویز کر کے اپنے شاگرد رشید مرزا محمد رضا ”برق“ کے سہرہ کہا۔ ان کا دیوان ”ھیائے نور“ کے نام سے ۱۲۹۹ھ (۱۸۷۹ع) میں چھپ چکا ہے۔

تغزل میں ”ناسخ“ کا رنگ ہے، رعایت لفظی کا برا خیال دکھتے ہیں،
 اِس لیے غزل کی خصوصیت مفقود ہے۔

غزلیات

اے بتو، ہجر کی تکلیف کو کہا پوچھتے ہو؟
 رنج وہ دل نے اُٹھایا کہ خدا یاد آیا

نہ داد ملتی، تو پھر داد خواہ کیا کرتا؟ خدا کے سامنے عذر گناہ کیا کرتا؟
 مواخذہ نہ بتوں سے تھا حشر میں منظور، خدا کو ظلم و ستم کا گواہ کیا کرتا؟

کسی میں نام کو بڑے وفا نہیں باقی: ہر ایک گل چمنِ روزگار میں دیکھا
 سفید بال ہوئے موسمِ جوانی میں خزاں کا رنگ شروعِ بہار میں دیکھا

دل میرا محوِ یادِ الٰہی تھا اے بتو، تم آنے سامنے تو مرا دھیان بت گیا
 کہلے دو، اگر خلق برا کہتی ہے مجھ کو؛
 وہ کون ہے جو عشق میں رسوا نہیں ہوتا؟

[۱]—سختن شعرا میں میر وزیر علی نام لکھا ہے۔

شکلِ گل، زر ہمیں خدا دے گا: جو بکاڑے کا وہ بنا دے گا

پھرتے ہوں آسما کی طرح فکر و زق میں؛
اس کی نہیں خبر کہ ملے گا کہاں سے کہا؟

کہوں اُڑا کر، اے صبا، مٹی مری برباد کی؟
خاک پاے یار تھا، گرد بہا بیاں، میں نہ تھا؟
قطع، اے دل، کب ہوا چوہں جنوں کا سلسلہ؟
کب اسیر حلقہ گھسے پہچان، میں نہ تھا؟

بارِ فراق یار بھی بارِ عظیم ہے، اے آسماں، یہ بوجہ اُتھے گا زمیں سے کب؟

خالی نہیں کٹائے سے صاحب کی کوئی بات:
ثابت ہوا ہمیں کہ نہایت ہوں دور آپ

بلے ہوں خون کے دھبوں سے طرفہ گل بوٹے:
ترے شہید کے زخموں سے ہے کفن کی بہار

لائی ہے ”نور“ مجھ کو خرابیات دھرمیں ملک عدم سے عالم ایجاد کی ہوس
پہنچا ہے جسے تجو میں تری کوہ طور پر اللہ دے، تھرے طالب دیدار کی تلاش!

ہے دل کو چشم ساقی کلفام سے غرض:
شہشے سے مدعا ہے نہ کچھ جام سے غرض

نغمہ سلجی سے تری، دل کو مزا ملتا ہے
پھر اُسی لطف سے کر، باغ میں نالے، بلبل

✓ اے بتو، ہم نے تم کو پہچانا بخدا، قدرت خدا ہو تم

✓ یہی دو بول کہہ کے ہمارے ہیں: تم ہمارے ہو، ہم تمہارے ہوں

ظاہر ہے بے ثباتی گل باغ دھر میں ہم کس امید پر ہوس رنگ دیو کریں؟

ہے دل پروانہ سوزاں بزم میں شمع یہ روشن سر محفل نہیں

پار کا حال مسامی ہے مری جانب سے :
نہ برا کہتے ہیں ظاہر میں ، نہ اچھا دل میں

نہ صرصر ، نہ باد صبا چاہتا ہوں ؛ جنوں خیز ہو ، وہ ہوا چاہتا ہوں
مجھے دوست دشمن ہر اہر ہیں دونوں : ہروں کا بھی اے دل ، بہلا چاہتا ہوں

چڑھا ہے نشہ زر ، رات دن بے ہوش رہتا ہے :
خبر اپنی نہیں منعم کو ، فافل اس کو کہتے ہیں

✓ جب سے اُس گل نے گرایا آنکھ سے ، سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوں
اب گذارے پر جہاز عمر ہے ؛ ایک دن دریائے قم سے پار ہوں
لشکر دیوانگان مہم راہ ہے ، میں جنوں کا قافلہ سار ہوں

دورِ فلک کے ہاتھ سے جاؤں کہاں نکل کے میں ؟
کون سی وہ زمین ہے جس پہ یہ آسمان نہیں ؟

شکوہ چورِ بے عاں عشق میں لا حاصل ہے ؛ رنج اُٹھانے کو بنایا تھا خدا نے ہم کو
سائے کی طرح رہے ساتھ پریزادوں کے : آپ پامال کیا اپنی وفا نے ہم کو
اے دل ، فراقِ یار میں لے چل وہاں مجھے ، جس جا یہ آسمان نہ ہو ، یہ زمین نہ ہو

دل بنایا جس نے اُس کی شان دیکھا چاہے
کہا مکان کو دیکھتا ہے ؟ سوے صاحب خانہ دیکھ

کہا نشانِ دوس کہ رشک آتا ہے ؟ میں چلوں آپ نامہ بر کے ساتھ
آئے مرے دھری دھیں شب بھر گلابیال ؛ دیکھا کہا میں ساقی پیمان شکن کی راہ
انہیں تو اُنڈہ مد نظر ہے ، یہاں دو دو پہر زانو پہ سر ہے
✓ تمام رات مجھے بے قرار رکھتا ہے : مزے عجیب ترا اِنعتظار رکھتا ہے

ہرق نگاہِ یار بھی کہا [۱] کام کر گئی عمر دو روزہ ایک نظر میں گذر گئی
وہ آچکھیں ، تو روح کرے جسم سے سفر ' یارب ' ہلاک ہوں میں مسکھ کے سامنے

✓ پاس جانا کہاں نصیب ہمیں ؟ دور سے دیکھنا غلہمت ہے
 ✓ رات دن اُس کا نام جھٹے ہیں : عاشقوں کی یہی عبادت ہے
 تیرے قدموں پہ دم نکل جائے : بس یہی ذل میں ایک حسرت ہے

یہ مست ہے کہ موٹر نہ ہم کو پلند ہوئی
 کھلی حقیقت دنہا جب آنکھ بند ہوئی

ہم جو تھے ملک عدم میں تو بڑی راحت تھی
 رنج اُٹھانے کے لئے جانب دنہا آئے

✓ نہ دیا ساتھ مصہبت میں کسی نے ایذا خوب ہم الفت یاران وطن دیکھ چکے

زاہدا ' عشق مجازی ہے حقیقی کی دلیل :
 عشق کامل جو بتوں سے ہو ' خدا ملتا ہے

یارب ' مدام اوج پہ حسن بے غاں رہے مثل زمیں قدم کے تلے آسماں رہے

تپ فراق کی سوزش کو پوچھتے کیا ہو ؟
 جگر میں آگ لگی ہے ' بجھا نہیں سکتے

..... حال قسمت کا جواب خط جانناں سے کہلے
 وہ جو نامہ مجھے بھونچے خط تقدیر بدلے

ہم سا عالم میں نہ ہوگا کوئی کم کردہ حواس
 یہ نہیں یاد کہ ہم دل کو کہاں بھول گئے

شبِ درد و غم یوں بسر ہو گئی : تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی

منیر

اسمعیل حسین ”منیر“ سید احمد حسین ”شاد“ کے بھوتے شکوہ آباد ضلع
میں پوری کے رہنے والے تھے - ۱۲۲۹ھ [۱] میں پیدا ہوئے - اپنے خود نوشت سوانح
میں لکھتے ہیں کہ بچپن سے اُن کی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی پہلے
”ناسخ“ سے اصلاح لی ، پھر مہر علی اوسط ”رشک“ کے شاگرد ہوئے ، عرصے تک
لکھنؤ میں رہے اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی - لکھنؤ ، مرشد آباد ، کانپور
کے مشاعروں میں اکثر شرکت کی [۲] اُن کے تین دیوان کلیات کی صورت میں
چھپے ہیں ، نثر میں کئی رسالے ، اعلان الحق ، سراج المنیر ، تنبیہ المشتاہین
بفضائل الثقلین ، امان المومنین عن مکائد الشیاطین بھی اُن کی تصنیف ہیں -
غدر کے بعد ایک قتل کی سازش میں اُن پر مقدمہ قائم ہوا اور کالے پانی
کی سزا تجویز ہوئی - ۱۸۶۰ع میں قید سے رہائی پائی - آخر عمر میں نواب
کلب علی خاں کے عہد میں رام پور میں قیام کیا اور یہیں ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۱ع)
میں وفات پائی -

نہایت ذہین اور پر گو شاعر تھے ، ہر صنف میں اُن کے اشعار کثرت سے
موجود ہیں - قصیدے کی سی پرگوئی غزلوں میں بھی ہے - ایک ہی طرح میں
تین تین چار چار غزلیں ۳۲ اور چالیس اشعار سے زیادہ کی موجود ہیں - یہی
وجہ ہے کہ غزل میں قصیدے کا زور ہے لیکن غزل کی خصوصیات ، سوز و گداز اور
آمد کا لطف موجود نہیں - قصائد میں بھی اگرچہ سب کچھ ہے لیکن تسلسل
مضامین اور ترتیب اکثر جگہ مفقود ہے -

[۱]—دیوان اول (کلیات منیر) کے دیباچے میں جس کا تاریخی نام منتخب العالم (۱۲۶۲ھ) ہے
لکھا ہے کہ ۳۵ برس کی عمر میں منیر نے یہ دیوان تصنیف کیا تھا - اس حساب سے سال ولادت
۱۶۶۳—۱۲۲۹ھ ہوتا ہے -

[۲]—تاریخ ادب اردو ص ۲۸۱ ج ۱ - و مقدمہ دیوان اول (کلیات منیر) شکوہ آبادی -

سناجات

یہی اُمید ہے فضلِ عمیمِ حقِ تعالیٰ سے
 کہ جب تک لطفِ گردہں گنبدِ گردوں کو حاصل ہو
 نہایاں زیرِ گردوں رات دن ہو جس زمانے تک
 قمرِ خورشید سے تلویح کا جب تک کہ سائل ہو
 پسندِ خاطرِ مردمِ مرا دیوان ہو یارب
 جو دیکھے اہلِ علم و فضلِ مہن وہ اس کا مائل ہو

یہ عرض ہے تری درگاہِ مہنِ خداوند! کہ تھرا دل ہوں، نہایت گناہگار ہوں مہن
 مکان ہے دل کانو سے تیرا تو مہرا سیاہِ بخت ہوں، یارب، سیاہکار ہوں مہن
 بلند ہے عرقِ انفعال کا طوفانِ وفورِ جرم سے اس درجہ شرمسار ہوں مہن
 یہ العجا ہے کہ بہرِ نبی و آلِ نبی معاف کر مجھے، تھرا قصور وار ہوں مہن

غزلیات

دیوانوں کو نہوں خبرِ دوزخ و بہشت اللہ کو ہے علمِ ہمارے مآل کا

اچھی نہیں ہر لحظہ ”مذہر“ اشکِ فشانِی
 درتا ہوں نہ کھل جائے کہیں رازِ تمہارا

بہتکے پھرے دو عمارتِ دیر و حرمِ مہن ہم
 اس سمتِ کفر، اُس طرفِ اسلام لے گیا
 مہن جسے کفر مہن پہنچا خدا کے پاس
 کہیے تک ان بتوں کا مجھے نام لے گیا

پی فہر نے شراب، مجھے بیخودی ہوئی نشہ چڑھا کسی کو، مہن بیہوش ہو گیا
 طالع جگائے آپ نے اربابِ عشق کے یوسف کا حسن، خواب فراموش ہو گیا

بسمل کے بھی تزیلے کو ملتی نہیں جگہ
 کیا عرصۂ حیات جہاں، تلک ہو گھا

آنکھوں مہن پھرتی ہے اُس فہرتِ لہلی کی شبوہ
 پردۂ چشم کو مہن پردۂ محفل سمجھا

خلعت مجھے وحشت نے دیا وسعت دل کا
جامے میں مرے دامن صحرایہ نظر آیا
مل مل گئے مہیں خاک مہیں لاکھوں دل روشن
ہر ذرہ مجھے عرش کا تارا نظر آیا

جان کر اُس بت کا گھر کعبے کو سجده کرلیا
اے برہمن ، مجھ کو بہت اللہ نے دھوکا دیا

غم سہتے ہوں ، پر غمزدہ بھجنا نہیں اُٹھتا
مرتے ہوں مگر ناز مسیحا نہیں اُٹھتا

سینے سے عیاں ہے دل دیوانہ ہمارا دیواروں سے چھپتا نہیں ویرانہ ہمارا
جانے کو تو جاؤ گے زرا اور تھہر جاؤ ہشیار تو ہو لے دل دیوانہ ہمارا
مذہ سے نکل آیا ہے جگر اُف نہیں کرتے دل دیکھ لے اے ہمت مردانہ ، ہمارا
دنہاے دوں میں دل مجھے لایا بہشت سے خانہ خراب اور کرے گا قصور کیا

تمہارے گھر سے پس مرگ کس کے گھر جاتا ؟
بتاؤ ، آپ سے جاتا تو میں کدھر جاتا ؟
اجل کے بھٹس میں مہرے تلاش کر لیتے
وہ آپ دھونڈ کے لے آئی میں جدھر جاتا

سداں ترا ، جان تری ، عاشق شہدا تہرا
سب یہ تہرا ہے تو پھر کس لئے ”مہرا“ تہرا ؟

داف گناہ ہوں گلی بستان مغفرت آئے اگر مددِ یلے سے جھونکا نسیم کا

✓ آج پر کہا ہے ، ہمیشہ تھی لطافت پردہ دار
کب ترا جسم اے پری ، پوراہن جاں میں نہ تھا

دنیا و دیں سے جس نے نکالا کھڑے کھڑے
پادھی بخیر وہ دل خانہ خراب تھا
بھگانہ نہک و بد سے رہا ہر لباس میں
کانٹا بہار میں ، تو خزاں میں گلاب تھا

دنیا و دیں کو چھوڑ کے کس سمت کھو گیا

دھونڈو یہیں کہیں دل خانہ خراب تھا

اک روز بھی نہ کوچے میں اُس کے گذر ہوا سو مرتبہ زمانہ اُدھر کا اُدھر ہوا

دشت چمن سے نقش کف پا اُلجھ پڑا شکر خدا کہ پانو مروا درمہاں نہ تھا

بجلی تھی مہربان، کبھی آنس بہار صد شکر، بے چراغ مرا آشیان نہ تھا

عمرِ رفتہ کے تفتحص کو گھا تھا لیکن حشر تک طالع برگشتہ نہ پھر کر آیا

اُن کے جاتے ہی نہ تھہرے گی بہار بزمِ عیش

سانہ اپنے ایک گل سارا چمن لے جائے گا

گواہ تھر نگہ بھی، اجل بھی شاہد ہے تمہارے سامنے میں جان بھیج کر آیا

دنیا سے ہے باہر دل دیوانہ کسی کا بسعی میں سماتا نہیں دیرانہ کسی کا

ساقی کے قدم لیٹے سے کھا ہاتھ لگے گا دل تھام لے اے لغزشِ مستانہ کسی کا

گھر پھونک دے اے برق جہاں سوز، خدارا، چلنے ہی سے روشن ہو سہ خانہ کسی کا

نہند آتی ہے ہر ایک کو آفوش لحد میں شاید کہ اجل کہتی ہے افسانہ کسی کا

جاگی ہوئی تقدیر نہ سو جائے شب وصل لہ نہ کہوائے افسانہ کسی کا

ساقی مے دیدار دیے جائو لیکن اتنی کہ نہ لہریز ہو پیمانہ کسی کا

ایلوں کے توڑ جوڑ سے پھندے میں پھنس گیا

مہرے گلے میں طوق ہے دستِ شکستہ کا

وصل نے لوٹ لیا دونوں کو تنہا پا کر

آج مہرا ہے گریبان نہ دامن اُن کا

مجھ کو تو اپنی شہادت کا نہ ہوگا دعویٰ

ہاتھ پہچان نہ لیں خلیج و گردن اُن کا

دل میں ہمارے وحشتِ مجنوں نے لی پناہ

مدت کے بعد خانہ خرابی کو گھر ملا

نقصان کا عوض ہو زمانے میں کس طرح

جو دن گذر گیا تہ کہی عمر بھر ملا

بے رنج اُتھائے ہو نہ سکا اقربا سے مہل
 مہرے گلے سے ہاتھ مروا توٹ کر ملا
 اپایا مزا اخیر جوانی میں وصل کا
 قسمت سے ساری رات میں پیچھلا پھر ملا
 امکان نہیں ہے وصل بے شکست دل
 دریا سے جو حباب ملا توٹ کر ملا

لے چلے نفس دنی، بار گلیہ سوے عدم اسی مزدور کے سر پر دھ اسباب اپنا
 نہند کے آنے کی لایا ہے خبر پیک اجل بلند دروازہ کر اے دیدہ بے خواب، اپنا
 دُھرا کے تھری ہاتھوں کو لہجے ہیں ہم مزا قائم مقام بوسہ لب کا، سخن ہوا
 اقبال مند تیغ ادا نے کھے پسند میں کم نصیب ننگ کمند و رسن ہوا
 سوداے دل نے عالم وحدت میں کی جگہ ہو گا مکان، جوہں جنوں کا وطن ہوا

موسوں سے بھی ہے ربط بت خود پسند کا
 بس اب خدا ہے اپنے دل درد مند کا
 اپنے سوا نظر نہیں آتا کوئی مجھے
 مارا ہوا ہوں ایک بت خود پسند کا
 دو ایک بوندیں خون کی کسی کام آئیں گی
 کہا لہوں کے دل دکھا کے کسی درد مند کا
 تھوکر لگاتے آتے ہیں اٹھکھیلوں کے ساتھ
 اللہ حافظ اپنے دل درد مند کا
 جاتی ہے روز خاک مری آسمان تک
 ملتا نہیں دماغ تمہارے سمند کا

اپنے رتبے سے جو منظور ہے بڑھ کر ہونا
 اے قیامت، قدم پیار کی تھوکر ہونا
 مغموم، خاک نشینوں سے تعلق کب تک؟
 ایک دن ارض و سما کو ہے برابر ہونا

تمہاری گلی سے سوے کعبہ جاؤں خدا سے درد مجھے ہے ایسا نہ ہوگا
 دھ پیاد اے آفتاب قیامت، جلا کر مجھے تو بھی تھلڈا نہ ہوگا

اُٹھے گا غرور اس قدر کس سے ؟ توبہ ، خدا آپ ہونگے ، تو بلدا نہ ہوگا

شاید نگہ یار ہی اس کوچے میں ٹھہرے
اب تک رگ جاں میں کوئی نشتر تو نہ ٹھہرا

بعوں کے قد راست پر فہی ہے ناصح یہ بھچارہ سودھا ، مسلمان نکلا
خاک ہو جاؤں جوراہ کعبہ مقصود میں مہری متی سے بنے اللہ کے گھر کا جواب
دکھا کھے ہو کوچہ بیگانگی میں پلاو لائی تمہیں لگا کے مصحت کی راہ کھا
جو ہے بیگانہ سب زمانے سے اُس سے کھا پوچھوں کب ملیں گے آپ
کھا کہوں پہلی ملاقات کی بات رات کی رات گئی ، بات کی بات

جز مرگ کچھ نہیں مرض عشق کا علاج
بہمار پتے کے بھی نہ مریں ہم تو کیا علاج
اس شان ، اس شکوہ نے بیتاب کر دیا
تم ایسے بن کے آئے کہ بگڑا مرا علاج

ساز عشوت سے نکلتی ہے نوائے صبح عہد
جائے قلقل پڑھتے ہیں شہسہ دہائے صبح عہد

دل میں طمع زر ہے جدا ، آہ جدا بلد
اس شہسہ میں ہے سارے زمانے کی ہوا بلد

حال پوشیدہ کھلا سامان عبرت دیکھ کر
پتہ لہا قسمت کا لکھا لوح تربت دیکھ کر
اس قدر بھنخود ہوا آثار رحمت دیکھ کر
آئنے سے نام پوچھا اپنی صورت دیکھ کر
جام کوثر ، دست ساقی میں نظر آیا مجھ
اُٹھ کھا آنکھوں کا پردہ ابر رحمت دیکھ کر
مذہ ہمارا جلوۂ دیدار کے لائق کہاں ؟
اپنی صورت دیکھتے ہیں تہری صورت دیکھ کر

آنسو پونچھے یاد آیا جب جوانی کا مزا
 آنکھیں ملتے رہ گئے ہم خواب راحت دیکھ کر
 اب نہیں نازک مزاجی سے توجہ کا دماغ
 اے اجل ، آنا کبھی ہنگام فرصت دیکھ کر
 تھرے بلندے سر جھکاتے ہمیں بتوں کے سامنے
 سجدے کرتا ہوں الہی تھری قدرت دیکھ کر

ہوگی شکست دل چو ترے دست لطف سے
 یہ شہشہ صاف ثبوت کے دے گا صدائے عشق

مہکدے مہن جاوہ گرداغ دل روشن ہوا
 خاموش جی جلائے آنسو بہائے سن تو زبان شمع سے یہ ماجراے عشق
 تقدیریں مختلف ہیں ، مگر بولتا ہے ایک
 باجے ہزاروں ہجتمے ہیں ، لیکن صدا ہے ایک
 اب تو روٹھے ہوئے جاتے ہو مگر یاد رہے
 خواب ہو جائیں گے ہم ، تم کو خہال آئے نک

جی بھر کے گلے خلیجِ ابرو کو لگاتے یارب ، ہمہ تن کس لئے گردن نہ ہوئے ہم
 دیکھو گے تم کبھی تو مصیبت کی آنکھ سے اُمید وار تم سے وفا ہے وفا سے ہم
 اکثر رہ دیکھتے ہیں تماشائے بے خودی اپنا مزاج پوچھیں گے اُن کی نظر سے ہم

مزل و حدث گو کہ کرتی ہے پر یہ مصیبت اُس سے بڑی ہے
 بھکسی اپنے پوچھے پڑی ہے ہو کے اکولے جائیں کدھر ہم
 کعبے سے مجھ کو لائے سوادِ کثشت میں اصلاح دی بتوں نے خط سرِ نوشت میں

اور مجھ سا جان دیلے کا تمنائی نہیں
 اُس کا شہدائی ہوں جس کا کوئی شہدائی نہیں
 یا کرو اپنا کسی کو یا کسی کے ہو رہو
 چار دن کی زندگی میں لطف تلہائی نہیں

سر کو تکررا کر مٹایا اپنی قسمت کا لکھا

دیر میں ' کعبہ میں اب فکر چھوٹ سائی نہیں

ملمصو کے مانند سرِ دار بہت ہوں _____ حق ایک کا ہے کہنے کو حقدار بہت ہوں

بیعت خلاف عقل گوارا نہیں مجھے _____ روز ازل سے پورِ خرد کا مرید ہوں

جان پوچائے بجاؤ ایک چٹکی تم اگر _____ طائرِ رنگ حنا ہولے تمہارے ہاتھ میں

کھینچ سکے تصویر ' ہیبتابی میں کیا _____ ایک صورت پر رہا جانا نہیں

پہنچا جو گھرے کوچے میں خود رفتہ ہو گیا

جانا رہا میں آپ سے راہِ نجات میں

اے بت ' یہ ہے نماز ' کہ ہے گہاتِ فعل کی ؟

نہیت ادا کی ہے ' کہ اشارے قضا کے ہوں ؟

اے بت ' ہمیں ہیں عاشقِ یک رنگ دھر میں

سب برہمن حضور کے ' بلندے خدا کے ہوں

بجواتے ہوں حضور کے ظلموں کی صورتوں

ہم بت تراش آپ کے سنگِ جفا کے ہیں

لالہ بے داغ اے بادِ صبا ' ملتا نہیں _____ باغِ عالم میں دل بے مدعا ملتا نہیں

مالِ جہاں سے گھر کی مٹی ہی پائے گا _____ ہے ایک مہشتِ خاکِ نصیبِ بخیل میں

لوٹیں بہارِ آتشِ رخسار ' بلبلوں _____ صیاد کا گذر نہیں باغِ خلل میں

بعدِ مردن لحد میں گرتے ہوں _____ گھر تو بستا ہے ہم آجوتے ہیں

ساتھ دے کون راہِ اُلفت میں _____ پانوں سے نقس پا بچھڑتے ہوں

چراغ لے کے جسے دھونڈتے ہوں پروانے

ہمارے دل میں ہے وہ شمع ' انجمن میں نہیں

راہ میں صورتِ نقس کف پا رہتا ہوں _____ ہر گھڑی بلنے بگڑنے کو پورا رہتا ہوں

بہک کر جلوۂ مستانہ آیا دل کے چہالے میں

شرابِ عیشِ دی ساقی نے پر توڑے پھالے میں

تم نے گم نام و حویں تو مجھے لکھا ورنہ نام کو بھی خط تقدیر میں القاب نہیں

سا نظر دریا دلوں کو کب ہے بازاری حسیلوں پر
 انہوں قطرۂ سمجھ چکے گھڑوں پر جو پھسلے ہیں
 ہجوم نزع میں روح رواں سے جسم کہتا ہے
 ذرا اے سانس، دم لے لے کہ ہم بھی ساتھ چلتے ہیں

یہ نہیں ممکن وہ غہروں پر خفا ہو، نہیں نہ ہوں
 جس جگہ میرا مقدر لڑ رہا ہو میں نہ ہوں

تھہری ہوائے ہار دل چاک چاک میں ہم نے قفس میں بند کیا ہے نسیم کو
 خلیجِ ناز سے جب چھوڑتے ہو تم مجھ کو دھن زخم سکھاتے ہیں تبسم مجھ کو
 کوئی حیلہ تو تعارف کا خوشی سے نکالے کاش تقدیر ہی پر آئے تبسم مجھ کو

سب کہتے ہیں حور ہو، پری ہو کچھ ہم بھی کہیں، جو آدمی ہو
 قصے میں دھوئے آگ کب تک لو ہوش میں آؤ، آدمی ہو

رونا لازم نہیں دم نزع میری رخصت ہنسِ خوشی ہو

بغشش کی آہروں نہیں دھتی نمود سے
 یوں چھپ کے دو کہ دست گدا کو خبر نہ ہو
 چھپ کر لگا لوں کعبۂ مقصود کا پتہ
 یوں تھوڑے لوں کہ قبلہ نما کو خبر نہ ہو

تھوڑی چڑھا کے پوچھتے ہو، عرض کیا کروں
 سوچے گی دل کی بات کرم کی نظر تو ہو

حبا آئینے کو بھی روہرو آنے نہیں دیتی
 ترستی ہی رہیں گی تھری آنکھیں تھری صورت کو

سمتا ہوں کہ پہنچتی کوئی فریاد اثر تک
 اے پاس، خبر لے کہیں میری نہ دھا ہو

روز فراق یار کی کس طرح شام ہو _____ صبر ابد ملے تو یہ دن بہر تمام ہو

شب فراق بسر یارب ' آہر سے ہو _____ نماز صبح قیامت اسی وضو سے ہو

مدت سے چھوٹی ہیں زمین و فلک ترے _____ آٹھلے در روئے میں اپنا جمال دیکھ

حبیب میں جب یاد آئیں وہ آنکھیں _____ طاق حرم پر رکھ دی توبہ

پھر مے پی کر مانتا کوتا _____ پہوٹی قسمت توٹی توبہ

نہ پھولوں تاکہ راحت میں بھی آزار مصیبت کو

مرے ہو بلند میں غم لے گرہ دے دی ہے مشکل کی

چہرے سے نک رہا ہے جو منہ ایک ایک کا ' _____

آٹھلے کو تھلاں ہے کس کے نظہر کی ؟

دیکھا ہے عاشقوں نے برہمن کی آنکھ سے _____

ہر بت خدا ہے چاہنے والوں کے سامنے

دل میں عکس چہرہ جانانہ ہے _____ آٹھلے کا آٹھلے میں خانہ ہے

کس طرف کرتے ہو سجدے زاہدو _____ کعبہ ایک اجڑا ہوا بت خانہ ہے

اختلاط اپنے عناصر میں نہیں _____ جو ہے میرے جسم میں بیکانہ ہے

مہکدے کا کام دل سے لہجہ _____ خم کا خم پیمانے کا پیمانہ ہے

دریا میں بے ثباتی عالم کو دیکھ لے _____ جام جہاں نما سے زیادہ حباب ہے

جانی ہے مہمت دولت بھدار ہانہ سے _____ للہ اب تو جاگھے تھوڑی سی رات ہے

دل ہی گیا تو کون بتوں کا کرے خیال _____ کعبہ کے ساتھ سنگ پرستی چلی گئی

انگلی اٹھا کے کہتی ہے مضمحل سے یہ دار _____

اس راستے سے شہر وصال ایک مہل ہے _____

ہرنگ شمع خموشی سے باتوں کرتا ہوں _____ زبان قطع ہوئی پر ہے گفتگو ہائی

زردی رنگ عشق نہیں اور رنگ میں _____

مہرے ہی رنگ سے مری تصویر کھینچہ _____

فہروں کے پانو پڑ کے نہ آئیں گے تھرے گھر _____ یوں اہوئیاں رگڑ کے بھی مرنا قبول ہے
 عدم کو لے ہی گیا بیٹھو دی کا پاس مجھے _____ تلاش کرنے نہ پائے مرے حواس مجھے
 ہواے کوچہ قاتل نہ نکلے دل سے کہیں _____ کھلا ہوا در چاک جبکہ نہیں دکھتے
 ہے جلوہ گر دیر و حرم ذات تمہاری _____ تہہری ہے دُھلے میں ملازات تمہاری

دور سے بھی کبھی ملنے کے اشارے نہ ہوئے
 ہم کہیں کے نہ رہے تم جو ہمارے نہ ہوئے
 جان آگئی پتلیوں میں دیکھو _____ آنکھوں میں روح اے صنم ہے
 قتل کر کے آئے ہیں وہ عذر خواہی کے لئے
 دل مرا ہے ساتھ ساتھ اُن کی گواہی کے لئے
 میں روتا ہوں آہ رسا بند ہے _____ بوستا ہے پانی ہوا بند ہے
 کہاں قاتلے تک رسائی مجھے _____ میں ہوں لگ شور درا بند ہے
 سواری تری آ کے کھا پھر کئی _____ ادھر کو ادھر کی ہوا پھر کئی
 بتوں کے گھر کی طرف کعبے کے سفر سے پھرے
 ہزار شکر کہ چہتے خدا کے گھر سے پھرے

ملتا نہیں سواغ دل خاکسار کا _____ مدت سے خاک چھانتے ہیں تہری راہ کی
 آہ بھی دل میں نسیم سحری ہوتی ہے
 جو بلا آتی ہے ' اِس گھر میں ہری ہوتی ہے
 صبح طالع ہوئی سو بھی اُٹھے سونے والے
 اندریں اے مرے بھدار نہ ہونے والے
 اہل مسند کو کُذر جاتی ہے کہتے ہی میں رات
 مست ہیں ساہی دیوار کے سونے والے
 ہیچ سے پردہ ہستی بھی اُٹھاتا میں نے
 اب تو منہ کھول دے او سامنے ہونے والے

اچھا نہیں جو رازِ تبِ عشقِ فاض ہو _____ اے نبضِ دل کی بات نہ کہنا طہیب سے
 تیغِ نگاہِ آپ کی ہر طرحِ قہر ہے _____ بے کھانے جان جاتی ہے کھانوں تو زہر ہے
 چلن جس کی دل سے جگر تک نہ پہنچے _____ اُٹھی وہ نالہ اثر تک نہ پہنچے
 نہیں علم کیا کہتے ہوں لوگ ہم کو _____ وہ ہم ہیں کہ اپنی خیر تک نہ پہنچے

یارِ ب کبھی تو زخمِ محبت گذر کرے
 پہلو میں راہِ سہلے میں جا، دل میں گھر کرے
 در نہ جوشِ خونِ شہیداں سے بھاگے _____ پہلے قدم اُٹھانے سے دامن اُٹھانے
 کہا ہانہ مرے پہنچیں گے دامنِ بے تان تک _____ اپنے ہی گریبان سے فرصت نہیں ملتی

ترچھی نظر کے حال سے واقف نہیں کوئی
 کس پر چھری چلی ہے ' مرے دل سے پوچھو
 میرے نصیب ' پانو کی آہٹ سے جاگ اُٹھے
 سہلے میں کون آ کے چھو دل سے پوچھو
 راز و نیازِ عشق سے آگاہ میں نہیں
 مجھ سے نہ پوچھو ' یہ مرے دل سے پوچھو

سب مہکشوں کے دیدہ و دل کون لے گیا _____ شیشہ کہاں ہیں ہاے وہ پیمانے کہا ہوئے
 مقدر جو ہوتا تو بڑھاپے سے نہ جھکتے _____ کرتی ہوئی دیوار کو ہم تھام نہ لیتے؟
 جو پوچھتا ہے عشق میں کہوں رنگِ زرد ہے _____ ہاتھوں سے دل کو تھام کے کہتے ہیں درد ہے
 شکرِ خدا کہ رنج سے آباد ہے یہ گھر _____ مدت سے دل نہیں ہے ' تو پہلو میں درد ہے
 اک رشکِ آفتاب نے برباد کر دیا _____ صبحِ تھامت اپنے بگولے کی کرد ہے
 مہکھانے میں شیشہ کوئی ٹوٹا ہے مقدر _____ بھساختے کہوں دل میں مرے درد ہوا ہے

مہمتِ بد نام ہے مہکھانے عالم میں شراب
 کوئی پوچھے تو ' نظرِ ہوشِ رہا کس کی ہے ؟
 تجھ کو دعاؤں خدائی ہے کہ اے بتِ مجھ کو
 شرع میں حد نہیں جس کی وہ سزا کس کی ہے ؟

یہی انصاف ہے اے فصل بہاری، تیرا :
 جال میں مرغ چمن، باغ میں صہاد رہے ؟
 بادشاہوں میں ہوں محسوب، نہ درویشوں میں
 یا آٹھی تری دنیا، ہمیں کہا یاد رہے
 کہا بتائیں تجھے اے شوخ حقیقت اپنی
 نامراد آئے تھے کوچے میں، ناشاد رہے
 خوف پیری سے نظر بھر کے نہ دیکھا تجھ کو
 اے جوانی تری صورت ہمیں کہا یاد رہے
 چاہیے مجھ کو ترا ناز اُٹھانے والا
 جان جاتی ہے تو جائے دل ناشاد رہے

ازل سے جو زخمی ہے وہ دل یہی ہے خدا ساز دنیا میں بسمل یہی ہے
 نصیب ایسے نالے کہاں بلہاؤں کو ؟ میں پہچانتا ہوں، مرا دل یہی ہے
 نہ تو کچھ فکر نہ تدبیر لہے پھرتی ہے جابجا کردش تقدیر لہے پھرتی ہے
 راے قسمت نہیں ملتا کوئی پڑھنے والا زال دنیا خط تقدیر لہے پھرتی ہے

زہر قاتل دونوں میں ہمار ہجران کے لہے
 مہربانی آپ کی، نا مہربانی آپ کی
 پایے نازک پر جو سر دکھا تو کھائیں تھوکریں ✓
 یہ ہماری بلدگی، وہ قدردانی آپ کی

سب ہیں ممتاز دوست، حقیقت پسند، میں
 بلدہ ادھر، تمام زمانا ادھر رہے
 عنایت ہوئی جائزہ میں، انہم استغنا خدائی مانگ کر لایا میں درگاہِ الہی سے

آئی خاک اُس کے رہگذر کی یارب یہ ہوا چلی کدھر کی
 جھگمکے دیے پاس نے دم نزع توٹی اُمید عمر بھر کی

مرے تن میں جان بن کر نہ رہو گے تم ہمیشہ
 کہو ہمد زندگی کا کسے اعتبار آئے ؟

دکھو دل چہراں کو اکر سامنے اپنے آئینہ تمہیں منہ نہ دکھائے مرے آگے

حسن تیرا ہر آنکھ میں ہے نہ لاکھوں نقشے ہیں ایک صورت کے

فکر روزی میں پھونکتے ہیں سر تکرے کھاتے ہیں پھوٹی قسمت کے

✓ بال بکھرائے ہوئے آتے ہو کیوں مقتل میں

آٹھ کے لے لیں نہ بلائوں کہیں مرنے والے

آنکھ پھرتے ہی تری، مجھ سے خدائی پھر کئی

کہا مری ہر کشتہ بختی کی دھائی پھر کئی

نہ کھیلچو جگر سے کتاری ابھی مزا لیتی ہے بے قراری ابھی

وہی آزمائش ہے اُن کی ہلوز وہی مہوی بے اعتباری ابھی

جاتا ہے لطف کھف جوانی دماغ سے پہلے پہل یہ پھول بجھوتا ہے باغ سے

بدقسمی کا تو کہیں نام متے کوئی تو آئے، قہامت ہی سہی

کہا بدلا لیں گے بگڑ کر مجھ سے تھرے تھور، مری قسمت ہی سہی

منجھس

فزل رشک

توحید میں ارشاد مکرر ہے خدا کا مشرک جو ہے دشمن وہ مقرر ہے خدا کا

دیدار کب احوال کو میسر ہے خدا کا جو دیدہ یک بھں ہے وہ ملظہر ہے خدا کا

جس دل میں نہیں شرک وہی گھر ہے خدا کا

غزل ثواب نصیر الدولہ

ہے میسر مجھے نظارۂ باغ اِس تجلی سے مرہں پر ہے دماغ

نہیں راتوں کو احتیاج چراغ سہلہ خاور ہے آفتاب ہے داغ

صبح معشر مرا گریہاں ہے

قصائد

نعت سیدالوسلین (مناظرۂ ہستی و مرگ)

مہیب رات تھی ایسی کہ بس خدا کی پناہ

زبان ہر سر مو پر تھی الاماں کی پکار

مکان گور کہن، فرہی خاک، بالہں سلگ،
 کہڑے تھے بھاگنے کے واسطے در و دیوار
 عجب نہیں ہے جو آنکھوں کی راہ بھولی نیند
 اندھیرے گھر میں فہش آ آ کے پھر کھا کٹی بار
 اندھیرے میں نہ ملا نیند کو مقام پناہ
 لرز کے مردوں کی آنکھوں میں جا چھپی انہار
 چراغ جا کے جلا لائے غول دوزخ سے
 نہ پائی آتش روشن مہان شہر و دیار
 چراغ خانہ مجلس کی طرح مہا فلک
 چمک کے شام کو نکلا نہ صبح تک زہار
 اندھیری رات میں یوں تھا ہجوم ابر سیاہ
 کہ جیسے اڑدے پر ہو سیاہ دیو سوار
 زمانے بھر کی بلاؤں میں مبتلا تھا میں
 خفا میں جان سے تھا جان مجھ سے تھی بھزار
 ادھر تو کھینچتی تھیں سخت جانیاں دامن
 ادھر قضا مرے لے جانے کے لیے تھار
 میں طرفہ رد و بدل تازہ کشمکش میں تھا
 مرے لئے ہوئی ہستی و مرگ میں تکرار
 ہر اک کو دونوں میں دعوائے انصافیت تھا
 ہر ایک کرتے تھے اپنی فضیلتیں اظہار
 بیان دعویٰ ہستی یہ تھا کہ سن اے مرگ
 میں تجھ سے بڑھ کے ہوں، آگاہ میں صغار و كبار
 مرے طفیل سے قائم ہوں آسمان و زمیں
 مجھ سے ہیں مہ و خورشید مطلع انوار
 مرے سبب سے ہے مہدی دین حق قائم
 مرے سبب سے ہے ابدال صاحب اسرار
 خدا نے کھائی قسم ہستی معتمد کی
 تو کیا ہے عرش سے بھی میں ہوئی بلند وقار

مرے سبب سے خضر رہلے عالم ہے
 مرے سبب سے ہے الیاس صاحب آثار
 مرے سبب سے ہے فردوس آشیان ادیس
 مرے سبب سے مسکھتا ہے آسمان سیار
 محط دھر مہں مہں ہوں بزرگ کشتی نوح
 ترے وجود مہں طوفان قہر کے آثار
 مرے پیالے مہں آب حیات ہے لہریز
 تری شراب مہں مخلوط زہر عقب و مار
 خطاب مجھ کو دیا سب نے جان شیریں کا
 ہر ایک تلخی ہے نفع سے تری ہونڈار
 مرے نصیب مہں بانگ نشاط و نغمہ عیش
 تری بساط مہں ہے نوحہ اور نالہ زار
 کہا یہ مرگ نے بس بس خموش اے ہستی
 کچھ اِس مہں راست ہے کچھ لاف ہے تری گفتار
 مہں وہ ہوں جس سے لرزتے ہیں سرکشان جہاں
 میں وہ ہوں جس سے ہیں عاجز ستمگر و اشرار
 مرے سبب سے شہدوں کو ہے جھات ابد
 مرے سبب سے ہیں پھوند خاک بد کردار
 مرے وسلے سے اشرار زینت فردوس
 مرے طفیل سے اشرار ہیں وقود النار
 پسند آتی ہے تو کس کو ضعف پیری مہں
 کہ اپنی جان سے ہو جاتے ہیں بھر ہونڈار
 ترے سبب سے ہیں متعلو مہں چند دولت مند
 ہزاروں رنج سے ہیں نالہ کش پس دیوار
 تری شراب نہیں ہے خسار سے خالی
 نہفتہ نوش مہں تھرے ہیں نوش زہر ہزار
 ہزاروں ہیں مرض مفاسی سے جان برب
 بتا تو کس کو پلائی ہے شربت دیہار

ہزاروں قہقہے میں روتے ہیں جان کو تھری
 مجھ بلاتے ہیں سر پہرے پہرے کر ہر بار
 زانے بھر میں ہے شکوا ترے تلوں کا
 کسی کے ساتھ نہیں تھری ایک سی رفتار
 کسی کو کھینچ کے مسند سے خاک پر پھینکا
 کسی کو قاتل دیا چاہ غم میں یوسف وار
 امیر تھے جو سلیمان عہد دنیا میں
 ہرنگ مور وہ پھرتے ہیں دانے کو ناچار
 غضب ہے تخت سے چمکید کو آثار دے تو
 ستم یہ اور ہے ضحاک کو کرے مستعار
 بتا، جو نزع کی مشکل نہ میں کروں آسان
 تو قابہ حشر پڑا ترے نیم کشتہ شکار
 اگر کروں نہ سیکدوش میں دم سکران
 تو بار خاطر اہل و عیال ہو بھمار
 فرض کہ رکھتی ہوں میں ہر فریب کا پردہ
 تجھے بھی چاہیے ہو دل سے مہری ملت دار [۱]
 غرور کر کے ہوئے مدعی خدائی کے
 ترے سبب سے سلاطین ظالم و جبار
 خوشی میں تو نے شہان علیہ کو رکھا
 مملوک تجھ سے رہے انبیائے عرش وقار
 خدا نے حکم دیا "قبل ان تموتوا" کا
 جہان میں مرے مشتاق رہتے ہیں ابرار
 پیہبران خدا میرے شہر میں سب ہیں
 کہ جن کے نقوش کف پا سے خلد ہے گلزار
 خصوصاً اُن میں شہ انبیا حبیب خدا
 شفیع امت و مجتہد وب ایزد فساد
 صفاے ائد لا الہ الا اللہ
 جلے سرمد ما زاغ واقف اسرار

ہرنگ فلچہ جو ہے مہم احمد سرہی
 امانت اُس کی بغل میں ہے ہوے گلشن یار
 ”مذہر“ مدحت حاضر میں عرض کر مطلع
 حضور قلب ہے نعت رسول میں درکار

ملفوظ امیرالمومنین حضرت علی

نور خورشید جو ہو صاعقہ طور حمل موسیٰ روز کرے مصر دل شب میں عمل
 مصر شب میں جو کرے بادشہ روز عمل دل فرعون میں پھونکے ید بھیضا مشعل
 گل رہنا کے تماشے کے لیے گلشن میں ایک جا ہو گلشن شام ابد و صبح ازل

پردہ ابر بہاری میں ہوائے گلشن لے چلی دیدہ نرگس سے چرا کر کاجل
 جنگ بدر واحد و خلدق و خببر سر کی تہوی تلوار کے لنگر سے پسے لات و ہیل
 کیا کروں اس پلک سہرے اوصاف رقم سایہ اس گاہے شب وصل تو بجلی چہل بل

لکھ دوں تقویم کہیں میں جو میں سرعت اس کی
 ہم بغل شام ابد سے ہو ابھی صبح ازل

ملفوظ جناب سیدۃ النساء

گذری شب سیاہ تجلا ہے نور کا پڑھئے نماز صبح کہ ترکا ہے نور کا
 مصروع سے کم نہیں ہے قیام نماز صبح دو رکعتیں ہیں مطلع زیبا ہے نور کا
 معراج پائی سجدہ کھا خاک پاک پر داغ سجود ہے کہ ستارا ہے نور کا

مدح ثواب کلب علی خاں

آ جاتے تھے تم صبح کی ساعت کے برابر پھیلاتے ہو اب پانو قیامت کے برابر
 جب دیکھتے ہو منجھ کو بگڑ جاتے ہیں تھور ہے چہن جیہں تیغ عداوت کے برابر
 دیوانوں سے ہر روز ترا گیسوے خمدار آشفتمے ہے زلف شب فرقت کے برابر
 ہشیار نہوں کوئی جو آنا ہے چلے آؤ ہے بزم جہاں کوشہ خلوت کے برابر

مطالع

پتّا ہو اگر گلشن جنت کے برابر گردوں بھی ہو تھوڑے کفِ ہمت کے برابر

پھیلاؤں میں تھرے در دولت کے برابر دامن ہو جو محتوای قہامت کے برابر

رُت ہے برسات کی بہت پھیلاؤ
بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر
بجلیوں کی چمک میں ہے چھل بل
کھا رہی دوب جنگلوں میں ہے
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے
تھلکی تھلکی ہوائوں پر وائی
شفق سرخ رنگ لائی ہے
نڈھی نڈھی برستی ہیں بوندیں
کوہلا، بکلی، کوئلوں، طاؤس
قازیں، مرغابیاں، بطوں، سوخاب
کھمت دھانوں کے لہاے شاداب
عکس طوطی ہو چڑھے اُٹھے میں
سوندھی سوندھی زمیں کی مٹی

آپ کے ہاتھ میں ہے وہ تلوار
نام اس برق کا ہے دشمن سوز
جس نے بجلی کو کر دیا عاری
کام اس ابر کا ہے خون باری

ہے سواری میں کیا پڑی گھوڑا
کو رہی ہے صبا چلدر اُس پر
خوش خرامی میں کیک کہساری
بوے گل کرتی ہے جلو داری

پڑی ہے مجھ سے عناصر کے دل میں پیار گڑا
پڑی جو تھوری میں، عالم وہ حسن گانہ رہا
بساطِ عمر رواں کا ہے عرض چار گڑا
کسی سے سیکھ گئی نشئے کا آثار گڑا
تو اپنی گانہ میں باندھے مرا غبار گڑا
سمجھ لے قدر جو اکسہر خاکساری کی

زمانے بھر میں خوشی کا کھن نہیں ہے وطن
خدا کے فضل سے ہے رامپور ہی مسکن

تمام شہر رنگیں لباس، خوش پوشاک
شگفتہ طبع و شگفتہ دل و شگفتہ مزاج
ہر اک کے ساتھ لگی پھرتی ہے بہار چمن
کھنیں مشاعرہ ہے پورہ رہے ہیں اہل سخن
کھنیں مباحثہ علم و مجلسِ فہلا

ہجوم ہے سر بازار مے جہیلوں کا
خوشا نصیب جو اس شہر میں رہے آکر
بھرے ہیں نور کے بکریں سے کوچہ و بوزن
جو بادشاہ ہو تو بھی نہ یاد آئے وطن

مدح منشی احمد حسن خاں ”عروج“

بارے آئی نجات کی باری
ہم کو منصب ملا رھائی کا
کریچ تھہرا مقام غربت سے
رخصت اے دوستانِ زندانی
کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت
بہتہتے ہوں جہازِ دوستی پر
کرم اے خضر، المدد اے نوح،
السلام اے خروش بکھر مچھوٹ
زاد راہ سفر، توکل ہے
سامنے ہو طرفِ شملہدور ہے

کھل گوا عقدہ گرفتاری
تھد کو جائداد بھکاری
اب وطن چلنے کی ہے تھاری
الوداع اے غم گرفتاری
اشک شادی ہیں آنکھوں سے جاری
اُتھتے ہیں لنگر گوا باری
رحم اے فضل حضرت باری
السفر اے سقیلہ جاری
رہنمائی کو اُس کی ففاری
سایہ آسمان زنگاری

مغلسی اور رمضان

رمضان اب کا شہر ہے مسجد پر
مغلسی پہلے بھیج دی مرے پاس
کون کہتا ہے روزہ ہے تا شام
کھانے پھلنے کی چھڑ کھوں کر آے
سکری کے لہے دکھاتے ہیں
شام کے وقت بہرِ افطاری
قدح آب کی جگہ موجود
تلخ کامی اگر نہ زہر ملاے

پہارے کھاتے ہیں روزے اُتھ پھر
پھر ہوئے آپ میہمیاں آکر
رات دن ہے مقام میرے گھر
خود بدولت کھڑے ہیں پھرے پر
نقل بادام دیدہ اختر
نمکِ بختِ شور پیوہیں نظر
خوب لبریز آنکھوں کے ساغر
جان شیریں کو کھاؤں جائے شکر

نذر عید قربان

قصر جاں پرور ہے باغِ دلکشائے صبحِ عید
تہنیت دیتی ہے ہر دمِ عیدِ دلہبِ نغمہ سنہج
دلکشا گلہاں اگر دیکھے مہمانِ دامپور
دامنِ دولت سے آتی ہے ہواے صبحِ عید
ہے زبانِ برگِ گل پر ماجراے صبحِ عید
کوچہ چاکِ گریہاں بھول جائے صبحِ عید

مثنوی

”حصابِ زنان“

اے قلم لکھ دے پہلے بِسْمِ اللہ تاکہ نافع یہ سب کو ہو دل خواہ
 حال جو کچھ سُنّا کھا موزوں نہیں اِس میں لطافت مضمون
 اپنے لہجے میں یہ کلام نہیں جب تو اِس میں وہ التزام نہیں
 سیدھی سیدھی زبان ہے اِس میں سادہ سادہ بیان ہے اِس میں

نیک مردوں کا ذکر

سنو واری‘ جو بیہوشیاں ہیں نیک چال اُن کی ہے ایک بات ہے ایک
 کام خوفِ خدا سے ہے اُن کو ربطِ شرم و حیاء سے ہے اُن کو
 نہیں ہوتی ہیں بے لحاظ کبھی پردہ اُن کو ہے باپ بھائی سے بھی
 روکھی سوکھی جو پائی کھاتی ہیں جو مصیبت پڑی اُتھاتی ہیں
 جس سے کپڑے گرو ہوں یا بوتن بھار میں جائے وہ چٹورا پن
 ایسے تن پھٹ کے مڑے پر خاک جس سے کت جائے سات پشت کی ناک
 نہیں بسا ریک اُن کا پھراہن کبھی کھلتا نہیں کہوں سے بدن
 گھر سے جاتی نہیں کبھی باہر عمر پردے میں کڑتی ہیں وہ بسر
 گھر میں مزدوری اپنی کر لہذا دال دلیہ سے پھٹ بھر لیٹا
 شرع کی حد سے کب وہ بڑھتی ہیں مسئلوں کی کتابیں پڑھتی ہیں

ہرمزی خانم کی گفتگو

ماں سے تب بولی ہومزی خانم: امی جان‘ آپ کہوں ہوئیں بروہم
 دوس [۱] دیتا کسی کو ہے جا تھا یہ میرے نصیب کا لکھا
 اپنی بدنامی میں نہ چاہوں گی جس طرح ہو سکے نباموں کی
 اُن کے آگے نہ ایسی بات چلے کام اُنہوں سے ہے ہوں برے کہ بھلے
 گو کہ مقدور اُن کو آج نہیں پر غصمت ہیں‘ بد مزاج نہیں
 ہیں وہی گو کہ مالک و مختار پر ہیں ہر طرح میرے تابعدار
 میں کڑی ہوتی ہوں‘ بگڑتی ہوں آزمائے کو اُن سے لڑتی ہوں
 ہونٹ آگے مرے نہیں کھولے متجھ سے بڑھ کر کبھی نہیں بولے
 دیکھ کر میری شکل چھتے ہیں پانو دھو دھو کے میرے پیٹے ہوں

بادشاہ سے خطاب

ہو ترقی شکوہ حضرت کی
یہی واجب ہوا ہے حضرت پر
دیتے ہیں بادشاہ سب کی داد
یہی دستور ہے ' قصور معاف '
آپ جو چاہیں ہم سے لیں خدمت
جب رعیت کو بادشاہ ستائے
ملک و دولت کو صاف کھو بھٹکے
لاکھ حیلوں سے زر رعیت کا
کب عدالت پناہ کھلائے
قطعہ سعدی کا ہے بہت مشہور
بادشاہ پاسبان درویش است
گوسفند از برائے چوپاں نہست
کھا ہو ظالم کی سلطنت میں امان؟
نہ کند چور پوشہ ' سلطانی

عدل و انصاف ' عمر و دولت کی
رہے انصاف کی ہمیشہ نظر
کہ رعیت ہے صورت اولاد
ہم اطاعت کریں حضور انصاف
پرورش کی مگر رہے نیت
ستھا ناس جائے چون نہ پائے
بادشاہت کو اپنی رو بھٹکے
لوقتے جو بادشاہ بے پروا
بلکہ وہ روسہا کھلائے
عرض کرتی ہے یہ کڈھو حضور
گرچہ نعمت بغیر دولت اوست
بلکہ چوپاں برائے خدمت اوست
بھڑیا بھڑوں کا ہے دشمن چال
کہ نہاید ز گرک چوپانی

رباعی

عالم اسیری میں

فربست میں وطن خانہ بدوشوں کو ملا
زہر غربت شکر فروشوں کو ملا
جب انجمن جگر کھانے لگی پیاس "ملہر"
کالا پسانی سفید پوشوں کو ملا

قطعہ

نواب احمد حسین خاں "سالک" کی مدح میں

ازل کے دن سے نہیں بے علاقہ کوئی شے
اثر ملا سخن تلخ کو ہلاہل کا
شراب آب بقا بہر سافر ظلمات
پر طواف حرم اعلیٰ قلعہ سامی میں
تلاش معنی روشن برائے طبع ملہر '
چمک ہے بہر قمر چاک ڈال کدیاں کے لیے
بنی حلاوت جاں اذیت یہاں کے لیے
مسیح و خضر بلے عمر جاوداں کے لیے
برہمنوں کی جیہیں سجدہ بتاں کے لیے
"ملہر" مدحت احمد حسین خاں کے لیے

قید کے حالات میں

فرخ آباد اور یاران شہیق چھت گئے سب گردش نقدیر سے
 آئے ہاندے میں مقہد ہو کے ہم سو طرح کی ذلت و تحقیر سے
 کوتھری تاریک پائی مثل قہر تلک تر تھی حلقہ زنجیر سے
 پھر الہ آباد میں بھجوا دیا ظلم سے ' تلبیس سے ' نریر سے
 جو الہ آباد میں گذرے ستم ہیں فزوں ' تقدیر سے تھیر سے
 پھر ہوئے کلکتے کو پھدل رواں کرتے پڑتے پانوؤں کی زنجیر سے
 متکڑی ہانہوں میں بھڑی پانوؤں میں ناتواں تر قہس کی تصویر سے
 سوے مشرق لائے مغرب سے مجھ تھی غرض نقدیر کو تشہیر سے

قطعہ تاریخ

مدراس میں غلام نبی جب ہوے اسہر گھر اُن کو کلچ خانہ آفت میں مل گیا
 از بسکتہ ہیں وہ اہل مروت میں نامدار یہ زہر تلخ عہد کے شربت میں مل گیا
 سب دوستوں کو رنج ہوا اُن کی قہد کا لطف سرور خاک مصیبت میں مل گیا
 مدراس سے وہ آگئے جب اندھن میں گویا مقام گوشہ راحت میں مل گیا
 والدتہ اُن کے مرد خدا شہیح مہی دیں یہ رنج اُن کو وضع کی کثرت میں مل گیا
 بھگتے کے دیکھنے کو وہ آئے جہاز پر فرزند اُنہیں جزیرہ غربت میں مل گیا
 اس غم میں جب یہاں سے گئے مولیوں کو جسم لطیف خاک کدورت میں مل گیا
 فرط غم و الم میں گئے جانب عدم آرام اُن کو گوشہ تربت میں مل گیا

تاریخ اُن کی مرگ کی کہ دی " ملہر " نے

" دیکھو مقام گلشن جنت میں مل گیا "

صفیر

سید فرزند احمد "صفیر" سید احمد کے بھتیجے بلگرام کے رہنے والے ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ آدھ ضلع شاہ آباد چلے آئے جہاں عرصے تک قیام رہا۔ ابتدا میں سید محمد مہدی "خیر" بلگرامی اور پھر شہخ امان علی "سحر" سے اصلاح لیتے تھے۔ مرثیہ میں "دبیر" سے اور فارسی میں "غالب" سے مشورہ کرتے تھے۔ پہلا دیوان "صفیر بلبل" پتلے سے ۱۲۸۰ھ میں اور دوسرا "خمخانہ صفیر" لکھنؤ سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا۔ ان کے علاوہ متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کیں [۱] جن میں سے قصہ بوستان خیال، مثنوی اعجاز کلیم اور تذکرۂ جاوہ خضر مشہور ہیں۔ ۱۳۰۷ھ میں وفات پائی [۲]۔

کلام اکثر عاشقانہ ہے اور اُس میں "ناسخ" کی آورد کا رنگ صاف معلوم ہوتا ہے۔ صحت زبان کا بھی خیال رکھتے ہیں۔

غزلیات

کلیم وقت ہیں ہم طور معلیٰ ہے مکان اپنا
لقب لکنت کے باعث ہو گیا معجز یہاں اپنا
خموشی سب کی باتیں ہم کو سنوائی ہے فرقت میں
بہلتا ہے یونہیوں دل بے ترے اے جانِ جاں اپنا
توجہ سے تری ساماں ہوا ہے وحشت دل کا
جلوس ' تھوڑے قدم سے سلسلہ نکلا سلسل کا
✓ نہ سمجھا مہری بہتابی کو جب ناداں کسی صورت
تو اُس کا ہاتھ رکھ کر کہ دیا یہ حال ہے دل کا

[۱]—تذکرۂ جاوہ خضر [۲]—سٹن شعرا ص ۲۸۳ و تذکرۂ آب بقا ص ۸۴۔

شام سے حال ہے بھمار وفا کا کچھ اور
 دیکھتے جاؤ، ابھی تا بہ سحر کھا ہوا
 وصل کی رات کتنی، صبح کے آثار میں صاف
 دل بچھا جانا ہے اے شمع سحر! کھا ہوا

زلف ساقی نے جو بکھرائی تو دریا چڑھ گئے
 رہ کھا زائد، دعاے ابر رحمت مانگتا

آغاز ہی میں عشق، یہاں کار گر ہوا
 میں کشتہ معاملہ یک نظر ہوا
 آئے وہ اور اپنا جہاں سے سفر ہوا
 کھا خرب اتفاق قضا و قدر ہوا

خدا ہے، دیکھیے کھا پھل ملے اس عشق بازی کا
 بہت نشو و نما پر اب تو نکل آرزو آیا
 ہمیں خوبیوں سے آلفت ہے، تجھے منظور نظارہ
 ہم آئے دل سے یاں اے شہنشاہ اور آنکھوں سے تو آیا

ایک بجلی سی ابھی کوند گئی آنکھوں میں
 الاسان روزن دیوار سے کس نے جھانکا

آیا قریب صبح جو وہ آفتاب حسن
 ہنس لگا چراغ، شب انتظار کا

جوشش شوق شب وصل میں دشمن ٹھہری
 تلک آئی ہے مری آرزوے دل کھا کیا
 جستجو میں تری تھک تھک گئے چلنے والے
 پانو پھیلانے پڑے ہیں سر منزل کھا کیا

اپنا دشمن میں ہوا آپ مصیبت میں ”صفیر“
 کیوں نہ ہو خود مرے ہاتھوں میں گریباں مورا

وہ کھڑے ہو گئے جانے کو، قیامت آئی
 بزم احباب پہ عالم ہے صف معشر کا

یاں جس کو دیکھو نظر آتا ہے کج ناکہ
 اُن کی نظر کی طرح پھرا ہے زمانہ کھا
 معجزہ کو تو بے خودی میں نہیں ہے خیال کچھ
 دل بھی ہوا ہے ساتھ تمہارے روانہ کھا

جنگل میں بھی گئے، نہ چھپا وحشیوں سے عشق
 کچھ پردہ پوش، دامن صحرا نہ ہو سکا

کب اپنی چال سے ترا بہمار رہ گیا؟ در سے اُٹھا دیا، پس دیوار رہ گیا

دشک نظارہ نے دیدار سے رکھا مجھے باز
تجہ کو آنکھوں میں بھی اے جان بگھایا نہ گیا

سایک قہامت ہر گھڑی کے ساتھ ہر فرقت کی رات
آج وہ شب ہے کہ جس کے واسطے فردا نہیں

دید شبہ یار سے ہے میری زندگی روشن چراغ جاں کا ہے تصویر یار میں

دھوکا ہے مہوشوں کی محبت میں اے ”صفیر“!
مانو نہ مانو، ہم تمہیں سمجھائے جاتے ہیں

نظارے پدہ مائل تو ہو چشم شوق حجاب نظر پردہ در نہیں

دوگم چل سکا نہ، صدم، تیری راہ میں گھبرا کے شیخ بیٹھا رہا خانقاہ میں
اے مژدہ بخش وعدہ فردا نکل بھی آ بیٹھا ہوا ہے ایک جہاں تیری راہ میں

ہمیں کافر نہ سمجھو، زاہدو، اس بت پرستی پر
بیتوں کے ظلم سہتے ہیں، خدا کو یاد کرتے ہیں

اب تو آج چرخ و بام یار دونوں ایک ہیں
چاندنی اور سایہ دیوار دونوں ایک ہیں

طور پر موسیٰ کو خوش کر، کعبہ دل میں ہمیں
اے صدم، ہم طالب دیدار دونوں ایک ہیں
وصل کی شب کون سونے دیتا ہے مجھ کو ”صفیر“
چشم شوق و طالع یہدار دونوں ایک ہیں

عاشقی میں جب ”انا لہلی“ کی نوبت آگئی
آئینہ ہو یا کہ روے یار دونوں ایک ہیں

انکار ہے، اقرار ہے، گالی ہے، دعا ہے :
اب لاکھ زبانیں ہیں ترے ایک دہن میں

کل و بلبل کا نہ تو قیصلہ کر گلشن میں
کہیں عاشق نہ لپٹ جائیں ترے دامن میں

مار ہی ڈالے گی یہ زندگی ہجرِ مجھے رشتہ جاں ہے کہ پھانسی ہے مری گردن میں

فردا کا وعدہ کس کو یہ سمجھائے جاتے ہو
سمجھے گا کیا وہ جس کو اُمید سحر نہیں

محفلِ یار میں ملتا دل ناشاد نہیں لائے تھے ہم کہ نہ لائے تھے زرا یاد نہیں

کسی کی فہم میں آتا نہیں ہر لکھت سے بجائے میرے سخن کا اگر جواب نہیں

آنے وہ میرے گھر ، تو رقیبوں کو لے کے سانہ
یارب ، قبول یوں بھی کسی کی دعا نہ ہو
مستما ہے مل کے عہد کو ، کہوں مجھ سے وہ "صفہر"
پہلو تو دیکھتے کہیں دل لے چلا نہ ہو

گر آج وفا وعدہ فردا ہو ، تو کیا ہو کچھ فرض یہی ہے کہ تھامتھی پہا ہو؟
بگھلائے ہوئے قیس کو ہے ابلہ پائی آنکھ کہیں نافۃ لولی تو مزا ہو

تعلق : عالم نیرنگ میں ہشرت کا دشمن ہے
تماشا دیکھتے ہیں ہم جلا کر آشپانے کو

دیو کہتے رہے ، جانا کہہ کعبا دل کو
آج تک ہم بھی سمجھتے رہے کیا کیا دل کو

آساہن وصال میں ہے شرط ، فکر ہجر نارِ نظر سے باندھ رکھوں آج خواب کو

ہگڑا ، تو کیا کرے گا تو ارض و سما کے سانہ؟
دائے کا زور کچھ نہ چلا آسپا کے سانہ

خوبوں سے بھی زیادہ ہے بوداد گر یہ دل
اللہ ، مجھ کو بھیج دیا کس بلا کے سانہ؟

بس ایک نگاہ دیکھتے ہی میں نے جان دی :
البت کی انتہا بھی ہوئی ابتدا کے سانہ

دنہا مہیں مہیں گو عدم کے ساکن، _____ رخ ہے سوئے وطن ہمیشہ

لاکھ فیروں مہیں کیا تو نے مجھی کو انتخاب

ظلم پر تھرے مجھے ناز، اے ستم ایجاد ہے

وہ ہنستے ہوں مرے رونے پہ مہیں روٹا ہوں ہنستے پر :

لبوں مہیں اُن کے بجلی ہے مری آنکھوں مہیں بادل ہے

ہر دم صدا یہی ہے ترے داد خواہ کی _____ مارا نظر نے رہ گئی حسرت نگاہ کی

کیا اُس سے کہوں جو ہیں کہے، ہاے : _____ سمجھا سمجھا جو مدعا ہے ؟

تو مجھ سے اگر پھرا، تو کہا ہے ؟ _____ اے بت، بندے کا بھی خدا ہے

شب فراق مہیں دست جڑوں سے لہجہ کام : _____ بغیر چاک گریہاں سحر نہیں ہوتی

یہ آسرا ہے کہ پھر کر تو دیکھ لے شاید : _____ تری نکاح سے قطع نظر نہیں ہوتی

تو نے گلگشت جو موقوف کیا، اے گل تر، _____ پھول مرجھائے چلے آتے ہیں گلزاروں سے

سمجھ کے شفق ہم سے کلام کرتے ہوں _____ خدا ہمیشہ رکھے بات حسن والوں کی

یہ کس خطا پہ کہا آپ نے شہد ہمیں ؟

جواب کہا ہے، جو کوئی سوال کر بیٹھے ؟

ملہ بوسے کا مشتاق ہے، بیدار کی آنکھوں :

دیکھوں تو مری جان نکلتی ہے کدھر سے

نہیں کہہ سکتے کچھ ہم حشر کے روز _____ تمہارا ملہ خدا کا سامنا ہے

کچھ نہ دیکھا تجھے، دیکھا بھی جو موسیٰ کی طرح :

رہ گئی پردہ دیدار مہیں، حسرت مہری

اے فلک، بندہ بیدام محمدؐ ہے "صفر" :

پوچھ لے مہرے خریدار سے قیمت مہری

شرارت تری، آنکھ کا تل ہوئی : _____ حبا بن کے آنکھوں مہیں داخل ہوئی

محبت کی درپیش ملول ہوئی، _____ بگولوں مہیں خاک اپنی شامل ہوئی

فرمائے نہ ترک محبت کے واسطے ، ناصح ، ریاضت ایک بھی سہر بہر کی ہے
 ثبات گل و لالہ کیا پوچھتے ہو ؟ اُڑے رنگ ہو کر چمن کیسے کیسے
 سب ملمعے ہوں یہ فہروں کی بٹائی باتوں پر دہ اُٹھ جائے تو جانو کہ محبت ہے کسے
 تھری ہی چشم مست کا پیمانہ چاہیے ساقی مجھے تو لغزش مستانہ چاہیے
 خبر ”صفور“ کی لانا کوئی ، خدا جانے کہ اُس غریب پہ کیا کوئے یار میں گدروی
 انجام اپنا خاک نہ سمجھے ہم ، اے فلک ، دنیا میں خاک چہان کے متی خراب کی
 تہسم سے ، تکلم سے ، چھا سے : مجھے مارا بھی تو کس کس ادا سے
 بتو ، ساری خدائی ہم کو ملتی ، جو انلی العجا کرتے خدا سے
 یہام مرگ ، اے اجل کہاں تک ؟ کبھی قدم و نچہ کر یہاں تک
 فغاں سے [۱] اب تھک گئی زباں تک ، خموش کب تک چھا کریں گے

قدر

غلام حسنین ”قدر“ سہد خلف علی کے بھائی ۱۲۲۹ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ واجد علی شاہ کے زمانے میں لکھنؤ آئے۔ ابتدا میں امان علی ”سحر“ اور مرزا محمد رضا ”ہرق“ کے شاگرد ہوئے پھر امداد علی ”بدر“ سے اصلاح لی۔ قدر کے بعد لکھنؤ سے دلی آئے اور ”غالب“ کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ آخر میں حیدرآباد میں چار سو روپے ماہوار کے ملازم ہوئے لیکن آب و ہوا موافق نہ آئی، اس لئے لکھنؤ واپس آئے اور اسی سال ۱۳۰۱ھ میں وفات پائی۔ [۱]

”قدر“ ہندی زبان سے واقف تھے اور ہندی عروض (پنگل) بھی خوب جانتے تھے۔ ان کا حافظہ قوی تھا، اور طبیعت ہمہ گیر پائی تھی۔ اردو غزلوں میں سادگی، شوخی، رنگینی اور قصائد میں روانی پائی جاتی ہے۔ زبان کی سستکی اور متبادرے کی صحت ان کے کلام کا طرہ امتیاز ہے۔

غزلیات

مذہق ہو سحر بن کر، جس سے شب امکان کا
وہ مہر قہامت ہے، مطلع مرے دیوان کا
اک طرفہ رقم میں تھا، دونوں نے کیا ساچھا
آفت نے مجھے پرکھا، رحمت نے مجھے آزاد

خیم سے جام شہراب نکلا کہسار سے آفتاب نکلا
دور دور، دور دور، کلہم دور دور، وہ بام پہ بے نقاب نکلا
فہم کھا کے گرا میں، شعلہ طور! ہمارے، تھرا حجاب نکلا

دسی تو جلی ، مگر رہا بل : کاکل سے نہ پہنچ و قاب نکلا
اچھا ہوا ، اور آئینہ دیکھ : لے ، گھر مہن ترا جواب نکلا

ہرگیا ابرو کی سنائی سے شہرہ یار کا
کام کرجائے سپاہی ، نام ہو سردار کا
زلف و مڑگاں دیکھ کر یاد آگیا دشت جلوں
وہ اندھیری رات وہ تلووں مہن چبھنا خار کا
”قدر“ کیا اصلاح ”فالب“ سے مری شہرت ہوئی
وہ مثل ہے : ہارہ کاٹے نام ہو تلوار کا

اک کف خاک سے دیکھی تری صنعت کیا کیا
مورچہ کوئی ہلکا ، کوئی سلیمان ہوا
ہجر نے ، موت نے ، یا ناز و ادا نے ، مارا
انہوں دو چار مہن ایک آدھ کا احسان ہوا

اُس پر کہیں نماز مہن گنبد نہ پھٹ پڑے
واعظ نے توڑ ڈالا ہے مٹکا شواب کا
آب حیات و چشمہ خورشید گرد ہو
دیکھیں جو رنگ ، خضر و مسیحا شراب کا

تم سے بچا جو نور ، ہوئی روشنی شمع
مجھ سے بچی جو خاک تو پروانہ ہو گیا
شکل دوئی پسند نہیں ، مہری آنکھ کو
تھکا جو اشک ، گوہر یکدانہ ہو گیا
بلبل کی روح کہا مرے تن مہن سمائی ہے
جب آگئی بہار ، مہن دیوانہ ہو گیا

ہے ورد اپنا ، سحر کو نالہ و فریاد کر لہنا
بہر صورت کسی پردے مہن تجھ کو یاد کر لہنا

انہیں جنت نہ سہی ، خور جہلم ہی سہی
اندا تھوڑا ہے ، مجھ تو کسی قابل سمجھا !

یہ تو کہتے نہیں ہم حشر کا دن چھوٹا ہے
پر ہماری شبِ فرقت کے برابر نہ ہوا

اضطرابِ دشتِ پیمائی نہ چھوٹے گا کبھی
خاک ہوگا جب بدن، دیگ رواں ہو جائے گا
اُس کی اِس نامہربانی پر تو میں دیتا ہوں جان
کیا قیامت ہوگی، جب وہ مہرباں ہو جائے گا

اُنے لحد پر آج بڑا حوصلہ کیا
اللہ، کیا حضور نے خوفِ خدا کیا
اے یاد! آنکھ لڑتے ہی ہرما گئی نگاہ
آنکھوں سے خون ہو کے کلہوچا بہا کیا
اشکِ کرم آنکھ سے نکلے جو بڑھی سوزِ دل
ہم نے جلتا ہوا تَدور اُبلتے دیکھا
سائے کے لیے ابرِ سیہ جہرم کر آیا
جب قصد ہوا جانبِ مہنڈانہ ہمارا
یہ کہ کہ کے سمجھاتے رہتے ہیں دل کو
جو بھولے ہمیں، اُس کو کیا یاد رکھنا
دامنِ رحمتِ باری میں چھپا مہرا راز
میں ہوا اشکِ فشاں، ہو گئی مشہور گھٹا
یا آہی یونہیوں سرِ سبز وہ باغِ مراد
زیرِ انکور ہوں میٹھی، سرِ انکور گھٹا
اشکِ اُمڈے ہجر میں جب آہ کی
ہر قچمکی اور بادل گھر گیا
گھر عدم ہے، یہ جہاں ہے سہرِ گاہ
ہر کوئی دم بھر کو آیا، پھر گھا
کیا عجب، اے ”قدر“ دن پھرے مرے
جس کے فرمانے سے سورج پھر گھا

’تم نے مکھڑے پہ جو گھسوسے پریشاں چھوڑا
کالا پردہ درِ کعبہ پہ مری جاں! چھوڑا
ہاے اِس موت نے دیران کیا کس کس کو
کوہ، فہرہاد نے، معجزوں نے بھاہاں چھوڑا
دیر و مسجد میں ترا ذکر ہے اللہ اللہ!
حسنِ الطاف نے ہلندو نہ مسلمان چھوڑا

ہو سکتی نہیں دل شکنی مجھ سے کسی کی
کعبہ تو مسلمان سے تھاپا نہیں جانا

اُلت کے دفتر ہر آسیاں کا ، کہا رخ آہوں نے لامکاں کا
 پڑا رہا شورِ الاماں کا ، دھرا رہا فل کہاں کہاں کا
 عدم کی ہستی کا میں مکیں ہوں ، بقا جہاں ہوں فدا وہیں ہوں
 ہزار آٹھوں میں تو کچھ نہیں ہوں غبار ہوں معدنِ لامکاں کا
 فقط نہ سیلہ ہی تو کافر جگر بھی حاضر ہے دل بھی حاضر
 بتا تو اے تھر عشق ، آخر ترا ارادہ ہے اب کہاں کا ؟
 ہزار نالے کروں تو کہا ہے ؟ کہیں سماعت بھی یا خدا ہے ؟
 شوالے میں سنگھ پھلک رہا ہے تو شور کعبے میں ہے اڈاں کا
 جو پھس ڈالے مصیبتِ گل ، رہا نہ ہو دامنِ توسل
 جو خاک ہو جائے جسمِ بلبل ، غبار ہو معدنِ بوستاں کا
 وہ برق طور تجلی آرا ، کلہم نے جس سے دم نہ مارا ،
 بچھا ہوا تھا کوئی شوارا حضور کے سنگِ استعاں کا

نہ بھاگ عسرت سے امتحان میں وہ عینِ عسرت ہے اس جہاں میں
 سنا ہے زندانِ مومنان میں مزا ہے کفار کے جلاں کا
 جہنمیں سمجھتے ہیں لوگ قارے ، وہ چھوٹ ہیں وارِ پار سارے
 یہ ہم نے آہوں کے تھر مارے کہ سیلہ چھلنی ہے آساں کا

اُلت دیا وہ طبقِ زمیں کا پتا نہیں چرخِ ہمت میں
 برا ہو آہِ دل حزیں کا کہ مجھ کو دکھا نہیں کہوں کا
 کلہم تم نے نہ اُس کی مانی تو فحش میں واجب تھی تاب لانی
 جو چھوڑی تھی بحثِ لہنِ ترانی ، جواب دینا تھا ہاں نہیں کا
 کھلا وہ باغِ خلیل ہو کر ، بلدا سر طور نخلِ اخضر
 ہوا سے جھڑ کر گرا زمیں پر ، جو ایک پھول آہِ آتشیں کا

✓ ترے میکدے سے ساقی ہمیں نا اُمید جائیں ؟
 جو کوئی یہاں سے نکلا وہ پھوے شراب نکلا

دو ساغر ہم تلک پہنچا نہ ساقی ، یا نصیب !
 جانا ہے مشرق سے مغرب تک برابرِ افتاب

بے نام و بے نشان ہیں، نہ پوچھو ہمارا حال
برگشتہ بخت و بے وطن و خانماں خراب

حسن کو لاکھ ناز ہو، پھر بھی ہے فوق عشق کو
تم سرِ کُل پہ دیکھ لو، پرہیزہ پائے عذلیہب
عشق کی جب ہوا چلی، حسن نے سانس تک نہ لی
چتگی اڈر کوئی کلی، اتنی صداے عذلیہب

سودا ہے تجھے، قاروں تو نہ بن، کچھ راہ خدا میں صرف بھی کر
یہ پوچھ نہ تجھ سے اُتھ سکے گا سرِ پیر نہ بہت تو لاد عبث
کہیں لاش پہ مہری روتے ہیں سب؟ کہیں مہفت میں آنکھیں کھوتے ہیں سب؟
چونکوں گا نہ خواب مرگ سے میں؛ ہے شور عبث، فریاد عبث
صہاد نے چمن میں قفس لاکے رکھ دیا، کیا پوچھتے ہو مرغ گرفتار کا مزاج
ملت کش مسوم نہ ہوگا وہ حشر تک، ہے عرش پر حضور کے بیمار کا مزاج

مقصود، تیری دارِ مبارک وہ تجھے
ایدا تو سر ہوا سرِ نوک سماں بلند
یہ ضبط عشق ہے کہ نہ نکلے گی ملتہ سے آہ
ایسے جلیں گے ہم کہ نہ ہوگا دھواں بلند

مومہائی تھی کہا وہ چشم سیاہ، کھو دیا دل کا ایک نظر میں، درد

میں کیا کہوں، کسے آئے گا اعتبار اُس کا
بہت کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے خواب کے مانند

قبر تھکرا کے مری، کہتے ہیں کس ناز سے وہ
تمہیں بے چوں تھے، اللہ دے آرام پسند؟

ہلڈو چشم کجا، مصطفٰی رخسار کجا
کفر کے تخت میں ہم کو نہیں اسلام، پسند
رمز اُلفت سے نہیں دست و زباں کو مطلب
کہوں کریں رسم و رہ نامہ و پیغام پسند

نہر میں اشکِ ندامت نے بڑا کام کیا _____ نکل آیا سورے اعمال کا کووا کاغذ

گردن شیشہ چھکا دے سورے پیہمانے پر
ہن پرستار رہے ساقی ' ترے مہیخانے پر
دمضیاں آتا ہے للہ چھکا دے ساقی '
تیس دن رال تھکتی نہیں ' پیہمانے پر
غصہ ہوا گردن ساقی پہ ' کبھی آنکھ پہ لوت
کبھی شیشے پہ گرا مہن ' کبھی پیہمانے پر

کھٹ کر ہلال ہو مہ کامل غرور سے _____ کامل وہ ہے جو سو نہ اٹھائے کمال پر
تو صد گاہ دھر میں غافل ہے کس لئے _____ پیہندا لگا ہوا ہے ترے بال بال پر

یہ لن ترانیاں ' ہمیں ہرگز نہیں پسند
موسلی کو کیا ملا تجھے اک بار دیکھ کر

کیا تجھ کو ملے گا دل دکھا کر _____ کہجے کو نہ دھا خدا خدا کر
کہتا ہوں کیا ہے تم نے بے ہوش _____ فرماتے ہیں ہوش کی دوا کر
اے صبر رواں ' کہاں گئی تو _____ تلہا مجھے گور میں سا کر

چاند سورج کو نہ فرماتے کہ " ہذا ربی " _____
دیکھ پاتے جو خلیل آپ کے پھارے عارض

"قدر" کو بھگدے میں دیکھا ہے _____ اس مسلمان کا خدا حافظ

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرے اوست _____
کہوں کر نہ زلف یار میں ہوتا قرار دل _____
ایسوں کے آرزے آتا ہے کوئی جہان میں _____
چہانی یہ اپنی ہے کہ ہوے پردہ دار دل _____

سوئے جا کر مزار میں ہم _____ اب پہنچے ہیں گورے یار میں ہم
جب خاک ہوے تو اوج پایا _____ مل مل کر آرزے غبار میں ہم

✓ جو ہے عرش پر وہی فرش پر کوئی خاص اُس کا مکان نہیں
وہ یہاں بھی ہے وہ وہاں بھی ہے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

میں وہ سرو باغ وجود ہوں میں وہ گل ہوں شمع حیات کا
 جسے فصل گل کی خوشی نہیں جسے رنج باد خزاں نہیں
 سمجھے گیا جو شور نشور ہو یہیں پوچھ لو جو ضرور ہو
 میں لحد سے اُتھ کے چلوں وہاں مجھے اِنٹی تاب و توان نہیں
 جو سمجھ گیا وہ سمجھ گیا جو بہک گیا وہ بہک گیا
 کہ عجیب حال ہے گو مگر وہ نہاں نہیں وہ عیاں نہیں
 ہونٹیں زرد زرد جو پتھیاں یہ بھی اِک طرح کی بہار ہے
 میں بسنت اِس کو سمجھتا ہوں یہ چمن میں فصل خزاں نہیں

تجہ میں عالم ہے فنا عالم میں تو موجود ہے
 جس طرح گوہر میں ہو آب اور گوہر آب میں

دکھلاؤں میں تجہ کو گل و بلبل کا تماشا
 چل تو سہی اے وعدہ فراموش، چمن میں

بے مشقت کام دنیا کا ہوا حاصل کہاں؟
 مل گیا فواص کو گوہر لب ساحل کہاں؟

دے ہیں عالم ذرات میں ہم ناتواں برسوں
 بدایا ہے ہمیں جب کر چکے ہیں امتحان برسوں
 ”بائی“ کہ کر بلا کا نشہ ہم کو چڑھ گیا یا رب
 نہ آئے ہوئی میں ہم مست جام کن فکن برسوں
 دھوں گا جام کثر سے نہ خالی ہانہ اے واعظ،
 کہ اِن ہاتھوں سے کی ہے خدمت پیرمغان برسوں

دل رخ سے اُڑ کے پہنچا گیسوے پُر شکن میں
 کعبہ عرب سے اُتھ کر داخل ہوا ختن میں
 جو لن ترانہاں میں پوری کہانیاں ہیں
 خالق پکارتا ہے خلقت کے پورھن میں

آتا ہے زلزلہ تو یہ کہتا ہوں دل سے میں
 تھری طرح تھاں کوئی زلزلہ زمیں نہ ہو

پشت مسجد کی ہے کعبہ کی طرف اے واعظ
کھل گیا حال رہ راست کا سارا ہم کو

حالت تو دیکھ مردم چشم سیاہ کی _____ پھانسی گئے میں پڑ گئی تار نگاہ کی
واعظ خبر اُڑاتا ہے عرش آلہ کی _____ چھت گریزے نہ سر پہ کہیں خانقاہ کی

اے ”قدر“ تم بھی کتنے خوشامد پسند ہو
دل اُن کو دے دیا جو زرا واہ واہ کی

شمار میں نہیں موجوں جہان فانی کی _____ جنوں ہے اُسے لہریں گئے جو پانی کی
سمجھ گیا ہوں معمّا تری خموشی کا _____ وہ بات ہو کہ دہن نا پدید ہو جائے

تعلقات جہاں سے چھتے ہیں مرتد میں
سفر تمام ہوا آج اپنے گھر آئے
جو آنکھ ہو تو جہاں اُفریں جہاں میں ہے
اِس آئے میں سکندر کا ملکہ نظر آئے

ملکسر ہوتے ہیں ہنر والے _____ نخل جھک جاتے ہیں ثمر والے
حق کہو تلخ، جہوت بولو گداز _____ بس خموشی سخن سے بہتر ہے

ہوئے کارواں سے جدا جو ہم، رہ عاشقی میں فلنا ہوے
جو گئے تو نقش قدم بلے، جو آئے تو ہانگ درا ہوے
کبھی داغ کھاتے ہی آہ کی، کبھی آہ کرتے ہی رو دے
کبھی ہم چمن کی ہوا ہوے، کبھی ہم ہوا کی گھٹا ہوے

ہوا غل عدم میں وہ ناگہاں کہ ملائی یاروں میں ہاں میں ہاں
آئے ہم تو مسرت التمت آئے، جو بڑے تو کُن کی صدا ہوے
جو لہو تھا اُس میں بہرا ہوا، تو ہر ایک زخم ہرا ہوا
یہ دل و جگر مرے کیا ہوے؟ کوئی تازہ ہرگ حلا ہوے

انہیں تلکیوں میں فشار ہے کہ نہیں میں جسم نزار ہے
یہ قفس میں طائر باغ کھا کوئی مرغ قبلہ نما ہوے

جو نگہ ہے چشم سیاہ میں وہی برق طور ہے راہ میں
تیری آنکھ پر جو فدا ہوئے رہ شہید راہ خدا ہوئے
بنے ”قدر“ ایسے غبار ہم‘ ہوئے گردشوں میں وہ خوار ہم
کہ مثال دائرۂ فلک جو اُتے تو بے سر و پا ہوئے

باغ سے جب ہوا چلی موہکدے سے گھٹا چلی
دل کی کلی کھلا چلی دل کی لگی بجھا چلی
واہ رے دورۂ شراب خانقہوں ہوئیں خراب
جہرم دھ میں شیعہ و شاب‘ اب کے عجب ہوا چلی

ساقی کہے‘ تو دم نہ کوئی بادۂ خوار لے واعظ کی پگڑی کھا کہ کفن تک اُتار لے
ساقی جو چھاندا ہو میرے سرخ سرخ کو واعظ کا سبز سبز عمامہ اُتار لے
مثال اُتے‘ ہم سب سے ہیں صاف جو دل میں بات ہے‘ ملتے پر وہی ہے

گھر کے مثل‘ نہ ثابت کبھی حجاب دھ
جہاں میں سر جو اُٹھائے وہی خراب دھ

گھبرا ہے روئے پیار کو زلف دراز نے قرآن اُٹھا لیا ہے بڑے جھلساز نے
ہم نے جھیلی ہیں‘ ہنجر کی راتوں حشر‘ اے واعظو‘ بلا کھا ہے !
مہرے پہلو میں دل ہوا نہ ہوا آپ کا اِس میں مدعا کیا ہے ؟
ہو گئے لاکھوں خداوند آج کل نام کو گھر گھر خدائی ہو گئی
دیتا ہے روز حشر یہ رندوں کو دھکیاں واعظ‘ زبان روک ! ابھی دلی دور ہے

اے ”قدر“ اُن کو ظلم دیا حق نے‘ ہم کو صبر
ہر بات ہے حکم کی حکمت بھری ہوئی
’امہد‘ مغفرت کی‘ سہہ کاریوں میں ہے
کالی گھٹا میں دیکھی ہے رحمت بھری ہوئی

ہم اگر تھامت میں‘ جم کے تکتی باندھوں
آفتاب مہشر بھی‘ روئے یسار ہو جائے

اشک سے اگر سینچیں، باغ طالب دیدار
شاخ مہں جو گل نکلے روے پیار ہو جائے

غزل مسلسل

جو عضو باطن خدا بناتا، تو ہم دل بے قرار ہوتے
جو عضو ظاہر خدا بناتا، تو دیدہ اشکبار ہوتے
جو نقش ہم کو خدا بناتا تو بلتے ہم نقش نامرادی
غبار ہم کو خدا بناتا، تو اپنے دل کا غبار ہوتے
خدا کسی کے لیے لکانا، تو پڑتے اپنے لیے اُلجھ کر
خدا کسی کا جو ہار کرتا، لے کا اپنے ہی ہار ہوتے
خدا ہمارے جو پر لکانا تو شب کو پروانہ بن کے چلتے
خدا جو نغمے ہمیں سکھاتا، تو دن کو نالں ہزار ہوتے
خدا کسی کا جالہس کرتا، تو ہوتے غم خوار ہم غصہ کے
خدا کسی کا انیس کرتا، تو قہر کے فمکسار ہوتے
فرض کہ ایسا مصہبتوں کا ہمارے دل کو مڑا پڑا ہے
کہ ”قدر“ ہم کو خدا بناتا، تو ہم ذلیل اور خوار ہوتے

قصائد

مدح میر محبوب علی خاں، شاہ دکن

باغ پر آج گھٹا توپ اُٹھا ہے بادل
خسرو باد بہاری کا کھنچا دل بادل
اُپر خیمہ ہے تو ہوندیں مہں طالب خیمہ
چوب خیمہ ہے دھمک، سبزہ ہے فرش متصل
جھک پڑی کالی گھٹا، دن ہوا بوسات کی رات
سب کو ہر پھر کے دکھا جانی ہے بجلی، مشعل
باغ مہں چاروں طرف آگ لگائی گل نے
سبز جھاڑوں پہ گلستان مہں چڑھے لال کنول
قہقہہ مار کے گل کہتے مہں ”سبحان اللہ“ !
”بارک اللہ“ ہے پتوں کی زباں پر ہر پل

یوں شرابور ھیں باران بہاری سے سرو
جیسے چوٹی کے شوالے مہں چڑھے کڈکا جل

گروی پڑتی ھے درختوں پہ صہا مستانہ
فلچے کہتے ھیں چٹک کر کہ سنبھل دیکھ سنبھل
گل سوسن کو جو تورو تو مرا بخت سیہا
سرو و شمشاد کو چھانگو تو مرا طول امل
سونگھو ' لالے کو تو یک لخت مرا خون جگر
دیکھو سنبھل کو تو بالکل مری قسمت کا ہل
کہا ھی شاداب ھیں گل ' رنگ چوا پڑتا ھے
شاخ گل کہتی ھے بلبل سے کہ لے مہندی مل

شاہد فصل بہاری ھے غضب کی چنچل
کبھی پھولوں سے ھنسی ھے کبھی غلچوں سے چُہل
شاخیں جھک جھک پڑیں ' یا شاہد فصل گل نے
نار سے ڈال لیا سر پہ اُلت کر آنچل

قوت نامہ ھے ' اُتھتی جوانی ھر پل
کہ جوانان چمن آج ھیں کچھ اور ھیں کل
کیا عجب سرو پہ بیچڑبڑ گردوں تک چمے
کیا عجب گردھ افلاک مہں آجائے خلل
کیا عجب لوگ ھلہیلی پہ جمالیں سوسوں
کیا عجب ھاٹھ کے ٹل سے کوئی پھوٹے ' کوپل
کیا عجب رشتہ زناں سے بھلیں پھیلیں
کیا عجب دانہ سبھہ سے اُٹے ' نخل امل
کیا عجب روح شہیداں بھی پے دید بہار
خاک سے بھر بھوٹی کی طرح اُٹے نکل
بافہان چمنستان کا ھے گردوں پہ دماغ
مجھ کو تر ھے کہیں دھواں سے نہ ہو رد و بدل
سبزہ شمشاد سے ' شمشاد ھے طوبی سے بلند
جانے طوبی نہ کہوں عرش کے اُس پار نکل

جو یونہیوں پہولتی پہولتی دھئی گلشن میں بہار
 جو یونہیوں نامیہ کرتا رہا ہر عقدہ ' حل
 کیا تعجب ہے جو گولر میں نکل آئے پہول
 کیا تعجب ہے اگر سرور میں آجائے پہول
 کیا تعجب ہے کہ پتھر میں نمو پیدا ہو
 خاک سے چرخ کی جانب کو چلے بلند ہوا چل

ہے یہ گہلگہور گھٹا ہانہوں کا دل بادل
 کجلی بن دھوم سے جنگل میں منامہ ملگول
 کالے بادل جو دے پانو چلے جاتے ہیں
 بے صدا پانو یہ دھرتا ہے زمیں پر ہر پل
 کہیں بادل کی گرج سے بھی زمیں ہلتی ہے
 اس کی چلگہار سے ہوتی ہے فلک کو ہل چل
 پہلے ہم عرش کی زنجیر سلنا کرتے تھے
 دیکھ کر سونٹ میں زنجیر ' وہ عقدہ ہوا حل
 لے کے یہ سونٹ میں پانی کو ' آڑائے جو پہہار
 سارے عالم کو نظر آئے برستا بادل
 میں عماری میں مرے قبلۂ عالم جو سوار
 پوشش کعبہ سیہ ہے نہیں ہانہی کا مصل
 تیغ در دست ہیں ہانہی یہ حضور پرنور
 کالے بادل میں چمک جاتی ہے بجلی ہر پل

نیمچہ سبز ہے ' پر خوں میں بہرا جانا ہے
 لال پہولوں میں لدی جاتی ہے اُتھتی کوپل
 آب تک خشک ہے کیا قہر ہے تلوار کی آنچ
 آنچ اک برق ہے کیا ابر میں ڈوبا ہے پہول
 چرخ پر چڑھ کے جو اُتری تو بلی عید کا چاند
 عید قرباں کا کیا کام ' مہان مقتل

میر لائق علی خان، مدارالہمام کی مدح میں
 ہاں مری طبع رسا ! خاک سے افلاک پہ چڑھ
 ہاں مری فکر بلند ! آج پہنچ کرسی پر
 ہاں مری دست بھاں ! عرش کی زنجیر ہلا
 ہاں مری پائے ٹٹا ! عرش کے اُس پار تھہر
 ہاں مری شور مقامات ! بجھا دے قنکا
 ہاں مری زور خہلات ! جما دے لشکر
 ہاں مری وہم رواں ! اُتھ کے بگھا دے سکہ
 ہاں مری فہم جواں ! بڑھ کے بچھا دے منبر
 ہاں بلاغت ! وہ فصاحت سے سزا دے خطبہ
 سن کے ”سودا“ بھی کہے صلّ عائی چلا کر
 اُس کی آواز سے گور متعلّبی ہل جائے
 ہند سے تا عرب اک دھوم رہے اُتھ پھر
 تیغ ہندی جو کھنچے نور کے جوہر چمکھوں
 جوہر خنجر روسی کے بچھا دوں تہور

اُس کا شہدیز چھلوا ہے ، کہ اک تھر نظر
 چاند ہے ، برق جھلندہ ہے ، کہ اک باد سحر
 اک دبور ، ایک صبا ، ایک شمال ، ایک جنوب
 دست و پا چاروں ہیں یہ چار ہوائیں مل کر

میر نے ساقی نے مری ملکہ سے لکایا ساغر
 مطربو ، مجھ کو سندھالو میں گرا ہر بٹ پر
 مغھچو ، ہاتھ مرا تھام لو ، دوزر ! دوزر !
 خدمت پھر مغاں میں مجھے پہنچاؤ مگر
 میکشو ، راہ سے اُتھواؤ خم و جام و سبو
 مست ہوں ، مست ہوں ، لگ جائے کی مہری تھوکر
 نہلہ کھا چھاپا کہ آنکھوں میں اندھیرا چھاپا
 اب سپہ مست نظر آتا ہے مہنگانہ بہر

نشے میں چور ہوں چھپتے نہیں اسرارِ دلی
دل میں جو آتا ہے آتا ہے زبان پر فر فر

راجا معتمد امیر حسن خاں، والی ریاست محمود آباد کی مدح میں

چمن کا بیہاہ ہے، کلموں کا ہو گیا انہار بلندھا ہروس بہاری کے در پہ بلندھاوار
بدل کر آئی ہے مشاطہ صبا، جوزا سفہد ابر بھی چھایا تو ہو گیا گلزار
دھڑی جمائے ہوئے سوسن اچھے ہونٹوں پر حلا لگائے ہوئے پلنچے میں ہے دست چنار
کلموں کے چہرے پر افشاں چلی ہے شہلم نے جو غازہ ملتی ہے رخ پر ہوائے فصل بہار

بنی ہے زخمہ ہر اک علیلہب کی ملقار
جہاں پڑی دگ گل پر، بجتا چمن میں ستار
گرچ ہے بادلوں کی، یا کُک ہے طبلے کی
جو مور ناچتے ہیں، ہل رہا ہے سب گلزار
لگائی ہے گل شبونے ملے سے شہنائی
جو پتے ملتے ہیں، جہانجہیں بجاتے ہیں اشجار
بہرے ہوئے ہیں پھالے گلوں کے شہلم سے
پڑی جو شاخ اُٹھی چل تو رنگ کی جھلکار
ہے اُس بہار میں ایسا جنوں کا جوش و خروش
مثال سلسلہ بجتا اُٹھا چمن کا بخار
یہ حال دیکھ کے صوفی بھی وجد کرتے ہیں
ہوئی ہیں حال سے بے حال قمریانِ نزار

وہ خاک ہوں جو آرائے ہوائے دھر مجھے
میں آسمان پہ چڑھ جاؤں اُتھ کے مثل غبار
غبار چہرۂ گردوں، دلیل باران است
برس پڑوں ترے گلشن پہ بن کے ابر بہار
تو اُس سے، خلیق ہو سجنۂ، زبان کی صورت
خضر کا رنگ ہو پودا، مسیم کی گفتار

مہاراجا مان سنگھ بہادر کی مدح میں

آئی بہار، سبز ہوا چرخ اخضری ہر کہکشاں بھی، صورت شاخ چمن، ہری

کہا لالہ زار ہے ، شفق چرخ چنبیری سورج مکھی ہوا گل خورشید خاوری
اب کی بہار آئی ہے کہسی ہری بہری

طاؤس پھر رہے ہیں خراماں ، چمن چمن
ہیں یاسمین و سنبل و ریتھان ، چمن چمن
کہسا کہلا ہوا ہے گلستان ، چمن چمن
اب تو ہوا ہے تخت سلیمان ، چمن چمن
بوٹے آگے ہیں باغ میں امسال کہا پری

سب صحن باغ ہو گیا ، میدان کار زار
لالے کی پلٹلوں نے جمائی الگ ، قطار
ہر شاخ گل ، کہاں ہوئی خم کہا کے ایک بار
پتوں کی نوکیں ہو گئیں ، پیکان آبدار
بن گئی ہر اک دگ گل تھری کی سری
ہے آبرو بہار کی اب تو خدا کے ہاتھ
پھیرے ہیں باغبان نے کس کس بلا کے ہاتھ
وہ رہ گیا چنار بھی ، اپنے بڑھا کے ہاتھ
پھولے ہوئے ہیں باغ میں موج صبا کے ہاتھ
پتوں کے تھالے ہو گئے پھولوں کی توکری

طارم کھنچا ، تو عرش معلیٰ سے بڑھ گیا
شمشاد اُٹھا ، تو سندرة و طوبی سے بڑھ گیا
سبزہ چلا ، تو خضر و مسیحا سے بڑھ گیا
سنبل بڑھا تو زلف چلہپا سے بڑھ گیا
ایک اک کو صحن باغ میں ہے کس قدر چری

حلقے میں پیل مست ہیں یوں جھومتے کھڑے
جیسے گھٹائوں آتی ہوں ساون میں چنوم کے
چلگھڑیں ہانہوں کی ، وہ مستی ، وہ ولولے
بادل گرج رہے ہیں ، بڑے زور شور سے
اللہ دے دعب ، کانہتا ہے چرخ چنبیری

سب پر نظر ہے ، عین عنایت ہے آنکھ میں
 سرمے کے بدلے کحل مرآت ہے آنکھ میں
 پتلی سیاہ ، مہر محبت ہے آنکھ میں
 تار نگاہ ، رشتہ الفت ہے آنکھ میں
 مد نظر ہے مردم دنیا کی بدتری

ترہنگی چھند

ہے اہر پہ چوبن ، نکھرا گلشن ، اتر دکھن ، کجلی بن
 بجلی کی چمک ہے ، گل کی مہک ہے ، دل کی لہک ہے ، یہ سارن
 موروں کی وہ کرکوں ، رند نہ چوکوں ، خون نہ تھوکوں ، دل ہو مگن
 پھولوں پہ وہ بلبل سرو پہ صلصل ، عشقہ و سدل دلہا دولہن

کوئل کی صداؤں ، تھلکتی ہوائوں ، اودی گھٹائوں ، من بھائوں
 وہ نور کی نہریں ، نہروں کی لہریں ، نظریں نہ تھریں ، بہ جائوں
 بجلی کے چکر کو ، نور قمر کو ، موج گہر کو ، تڑپائوں
 سبزے کی لہک پر ، گل کی مہک پر ، حوریں فلک پر شرمائوں

آباد دُکّاں ہے ، پھرمغاں ہے ، ایک سماں ہے ، ساماں ہے
 رندوں کا چلن ہے ، شیشہ مگن ہے ، قہقہ زن ہے خنداں ہے
 مستوں کی وہ ہو حق ، غم نہیں مطلق ، جان سے مشفق جاناں ہے
 گو مے نہیں باقی یہ مشاقی ، کہتا ساقی ؛ ہاں ہاں ہے

دفتار بلا ہے ، فتنہ بپا ہے ، غل یہ مچا ہے ، لہنا ہے
 واعظ کی خرابی ، مل کے کبابی آئے شرابی ، دنیا ہے
 پکڑی جو سلجھالی ، بڑھ کے اُچھالی ، بجتی ہے نالی ، بھاگا ہے
 ہتھ پھیری ہو رندو ، جو ہو وہ ہو ، پلچ کا آب تو دردا ہے

رباعیات

جس روز دم شمار آتھوں گا میں ، کیا تیر سے بہتر دار ، آتھوں گا میں ؟
 جب ”امتی ، امتی“ سوں گا ، اے ”قدر“ ، ”احمد ، احمد !“ پکار آتھوں گا میں

مبجلوں کا تمام شور ، کس نے دیکھا ؟ فرہاد کا سارا زور ، کس نے دیکھا ؟
 اے دل ! جو تڑپ ، تو اُن کے در پر چل کر ؛ ناچا جنگل میں مور ، کس نے دیکھا ؟

گھل گھل کے ہوا ہے جسم سارا ، مٹی مٹی میں ملائے اے خود آرا ، مٹی
 کھدوا کے متحد تھاہ و پرہاد نہ کر تو اہلک کا گھر نہ کر ہمارا ، مٹی

اللہ یہ شاکر ہوں ؛ خدا اس کا گواہ دیتا ہے وہی رزق ، وہی عزت و جاہ
 بندہ بندوں سے کیسا توقع رکھے ؟ لا حول و لا قوۃ الا باللہ

اپنا مشروب ، نہا نکالا ہم نے ؛ خرقہ ، جبہ ، اُتار ڈالا ہم نے
 اے پھر مغاں ، تجھی سے بیعت ہے ہمیں ؛ لے ، اب تو پھا ترا پھالا ہم نے

لازم کہ بشر بجز نگوئی نہ کرے وہ بات کرے کہ شکوا گوئی نہ کرے
 ہوتانہیں استخوان زباں میں ، اے "قدر" ! نکتہ یہ ہے کہ سخت گوئی نہ کرے

جوہر

سادھو رام ”جوہر“ لالہ جواہر مل ساھوکار کے بھتیے ، فریح آباد کے رہنے والے ”ملہو“ شکوہ آبدی کے شاگرد و شہید ، مستند اور قادر الکلام شاعر تھے ۔ ایک دیوان یادگار ہے ۔ اوائل چودھویں صدی ہجری میں وفات پائی ۔
کلام دلچسپ ، صاف اور شستہ ہے ۔ بے تکلف لکھتے ہیں ، معاملہ کوئی ان کا خاص طرز ہے جو جدت سے خالی نہیں [۱] ۔

غزلیات

جن نگاہوں سے لہا ہے دل شہدا مہرا دھونڈتا ہے انہیں تیروں کو دلہنجا مہرا
مہ نو ، ابروے پر خم ، نگہ پرگشتہ ہم نے تیروہا جسے دیکھا ایسے خلصر جانا
آنی ہے اُس کے کوچے سے آواز درد ناک ہم ہر کہہ دل ہو کوئی تو دروں میں مرگیا
آہوں سے آگ لگا دیں گے دل دشمن میں چھپ کے رہتے ہیں جہاں آپ وہ گھر دیکھ لیا

کہا یاد کر کے دروں کہ کیسا شباب تھا
کچھ بھی نہ تھا ہوا تھی کہانی تھی ، خواب تھا
اب عطر بھی ملو تو تکلف کی ہو کہاں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینا گلاب تھا
مستمل نشیں جب آپ تھے لہلی کے روپ میں
متجسوں کے بھیس میں کوئی خانہ خراب تھا
پہری میں ایک ہی سے ہمیشہ رہیں گے دن
وہ اور تھا زمانہ جسے انقلاب تھا
تورا قصور وار خدا کا گناہ گار
جو کچھ کہ تھا یہی دل خانہ خراب تھا

ذرا سمجھ کے یوں نہ ملا مجھ کو خاک میں
اے آسمان، میں بھی کبھی آفتاب تھا

کہا پوچھتا ہے حال، رہی دل کی دل ہی میں
کچھ کہتے کہتے نزع میں بھمار وہ گہا

تھہری جو وصل کی تو ہوئی صبح، شام سے
بت مہرباں ہوئے تو خدا مہرباں نہ تھا
کہا جانے کس کے دھوکے سے لپٹا لیا مجھ
کہ درں میں تیرے ہی کی: تو اس دم یہاں نہ تھا
کھونکر قسم پہ آج مجھ اعتبار آئے
کس دن خدا تمہارے مرے درمیان نہ تھا

یاد آتے ہیں جوانی کے مژے پوری میں قدرت اللہ کی، تھا وہ بھی زمانا کوسا؟
آخر اک روز تو پیوند زمیں ہونا ہے جام زہر زہر نیا اور پرانا کوسا؟

غور کے دل کو مے عشق، سمجھ کر دینا
جام کم ظرف ہے، ملہ تک نہ کہیں بھر دینا
کہتے پھرتے ہیں یہ کوچے میں پریزادوں کے:
خانہ برباد ہیں، دھڑے کو کوئی گھر دینا
یار بندے ہیں محبت کے فقط، اے ساقی،
شوشہ جس دل سے اُسی آنکھ سے ساغر دینا
یہ بھی ہے تھگ کوئی بادہ کشی کا: کیا خوب!
یہ کسی اور کو ملہ پھیر کے ساغر دینا

کعبے کی تو کہا اصل ہے اُس کوچے کے آگے؟ جنت ہو تو جائے نہ گنہگار تمہارا
دردِ دلِ عاشق کی دوا کون کرے گا؟ سلتے ہیں مسیحا بھی ہے بھمار تمہارا

اُس نے پھر کر بھی نہ دیکھا، میں اُسے دیکھا کیا
دے دیا دل راہ چلتے کو: یہ میں نے کیا کیا؟
دیر و مسجد پر نہیں موقوف کچھ، اے فافلو،
یار کو سجدے سے مطلب ہے، کہوں سجدہ کیا

گل تو کیا خار وطن بھیجے نہ تھکے میں کبھی
 دوستوں نے مجھ سے غریبیت میں سلوک اچھا کیا
 اے دل نادان، تجھے سمجھائے کوئی کس طرح ؟
 تو جو چاہے گا کرے گا اور جو چاہا کیا
 رازِ اَلْمَنّت اب نہیں چھپتا چھپائے سے مرے
 بس چلا جب تک مرا، منہ ڈھانپ کر رویا کیا

آتشِ گل سے مناسب ہے حذر، اے بلبل، ہاتھ رکھتا ہے کوئی، جان کے، انکاروں پر

تا صبح تیرے ہیچر میں ہم کڑوتیں بدلا کیے
 رکھا ہے تکیہ رات بھر گاہے اُدھر، گاہے اُدھر

چار آنکھیں ہوتے ہی برجھی جگر پر چل گئی
 بات کچھ منہ سے نہ نکلی رہ گئی ہم دیکھ کر

ہم سے چھپا کے آنکھ لٹاؤ گے تم کہاں؟ سب حال پوچھ لیں گے تمہاری نظر سے ہم
 دیکھو ہماری آنکھ بھی اپنی نگاہ سے تم کس نظر سے دیکھتے ہو کس نظر سے ہم

وقت پر چپ رہیں، معاذ اللہ! کہنے والے کہیں ہزاروں میں

اپنے مطلب کی محبت رہ گئی ہے آج کل
 کیا زمانہ ہے؟ کسی کا، اے خدا، کوئی نہیں

یہ واعظ کیسی بھکی بھکی باتوں ہم سے کرتے ہیں
 کہیں چڑھ کر شرابِ عشق کے نشے اُترتے ہیں
 تکلف کے یہ معنی ہیں سمجھ لو، بے کہے دل کی
 مزا کیا جب ہمیں نے یہ کہا تم سے کہ مرتے ہیں

دو سالہ قال کے لاشے یہ آتے ہیں ملے
 ابھی نہیں گئیں ان کی غرور کی بانوں

دھونڈ لیں گے جب کوئی تم سا تبھی چون اُٹے گا
 ہم بھی اپنی فکر میں رہتے ہیں، کچھ فافل نہیں

دو ہی دن میں یہ صلم ہوئی رہا ہوتے ہیں
کل کے توشے ہوئے بت آج خدا ہوتے ہیں
دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے
یہ وہ کعبہ ہے کہ بت جس میں خدا ہوتے ہیں

لئے اور بھی مے کلنگوں کے جام دے ساقی ابھی تو پیاس ہماری بجھی نہیں

ضعف میں مجھ کو اُتھاتے ہیں وہ لپے در سے
اے غم و پیاس پیکریو مرے بازو دونوں

یہ جاننا ہوں مگر کھا کروں طبیعت کو کہ مے حرام ہے اے واعظو حلال نہیں

کفر و دین میں ہے خلش برہمن و شہنخ سے بیچ
اس دو راہ میں مسافر کو ہوں کہتے لاکھوں

زہر بھی کھاتے ہیں سر بھی کاتتے ہیں عشق میں
اے محبت بے بسی میں لوگ کھا کرتے نہیں؟
ہو گئے ہیں مضطرب پر اب بھی غم کھاتے ہیں روز
آپ کے پیسار پرہیز غذا کرتے نہیں

اپنا دپٹا اُس نے دیا مجھ کو بعد مرگ
ملتا ہے بے نصیب کے ایسا کفن کہاں

جس کو ہوا یہ عارضہ وہ جان سے گھا دیکھے ہیں ہم نے عشق کے پیسار سیکڑوں

آج اے مرگ کھلی ہستی موہوم کی اصل
کچھ سمجھتے تھے ہم اس شے کو مگر کچھ بھی نہیں

تصوّر زلف کا ہے اور میں ہوں بلا کا سامنا ہے اور میں ہوں
بُغوں کو کھوں دیا یہ قد و قامت تہامت میں خدا ہے اور میں ہوں

اپنی کہیں کہ اس دل خانہ خراب کی
اپنی خودی مٹائیں تو پائیں وہ وصال
تم کو جو ہو پسند وہی گفتگو کریں
کھوٹیں جو آپ کو وہ تری جستجو کریں
کس سے سوال شہشہ و جام و سہو کریں
پھر مغال تو مست ہے آپ اپنے حال میں

دامن جدا ہے چاک، گریباں جدا ہے چاک کس کو سیوں بے تائید، کس کو رنو کرہیں

بہکی بہکی ہوں اُس کی باتیں ”ساقی، ساقی“ پکارتا ہو
اُجلی اُجلی سی چاندنی میں گورا گورا بدن کھلا ہو

نہند آنکھوں میں بھری ہے، کہاں رات بھر رہے؟

کس کے نصیب تم نے جگائے، کدھر رہے؟

شب جھسی گزری دن بھی گزر جائے گا مرا

جاؤں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے

کیا بے تائید مزاج کیسا ہے ہم کہاں، دل کہاں، خدا جانے

یوں تو ملنے دیکھے کی ہوتی ہے مصیبت سب کو

جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھواں رہے

جس کے پامال ہیں کھانڈیں گے اُسی کی ٹھوکر

کہ دیا ہٹ کے چل، او فعلتہ مستشر، ہم سے

کہا پوچھتے ہو حسرت دیدار بعد مرگ تا چند ملتظر مری آنکھوں میں دم رہے

مہرے ہوتے نگہ تھر رقیبوں کی طرف دیکھو دیکھو یہ تھر خطا ہوتا ہے

جان لے کر پھر چلایا تھا تو لازم تھا وصال

کیا خبر تھی مجھ کو دم دے کر خفا ہو جائیں گے؟

خط لکھا پیار نے رقیبوں کو زندگی نے دیا جواب مجھے

کامل

علی میاں ”کامل“ محمد آباد گھٹا ضلع اعظم ڈچہ کے رہنے والے تھے، لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا۔ ان کا خاندان محمد آباد سہووارے میں بہت مشہور ہے۔ اور علم و فضل کے اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا۔ ان کو خود اپنے کمال کا احساس تھا اور لکھنؤ کے شعرا ان کے کمال کا اعتراف کرتے تھے۔ کلام کا مجموعہ ان کے امرا کے پاس محمد آباد میں محفوظ ہے۔

”کامل“ معمولی مضمون کو بندش کی خوبی اور ترکھب کی چستی سے بہت بلند کر دیتے ہیں، تازہ مضامین بھی پھندا کرتے ہیں۔

غزلیات

خدا سے مانگ کر روزی، نگ و دو کی اگر تونے
 خجبل پائے طلب یا ملنے دل دست دھا ہوگا
 جیہیں گئے خاک ہم، جب مر گیا دل ونسجِ فرقت میں
 وہ کشتی کہا بچے گی، فرق جس کا نا خدا ہوگا؟
 فقیر اللہ کے، جائز نہیں رکھتے تکلف کو؛
 وہ دنیا دار ہوں گے جن کے گھر میں پوریا ہوگا
 ہماری بلنگی کی قدر اُس کو، اے بتو، ہوگی
 ہمارے بعد جو در پر تمہارے جہہ سا ہوگا

مدار کار ہے نصرت یہ نکتہ دانوں کا :
 عزیز زخم جگر اُس سبب سے ہے مجھ کو
 معائنے نقوش قدم دھروں نے خوب کہا
 خزاں میں غم شب تہرہ کا بلبلوں نہ کریں
 ہوا کے ہاتھ میں دامن ہے بادبانوں کا
 کہ یادگار ہے احباب کی زبانوں کا
 کہ بھٹینا بھی تو مشکل تھا ناؤں کا
 چراغ بن کے جلے گا خس آشیانوں کا

ہمارے دل کو، شکار انگڑو، ملال نہ دو کہ تھر خوردہ ہے افلاک کی کمانوں کا
 کھل کر صفت شمع فلدا ہو گئے اعضا تابوت کا محتاج ہوا میں نہ کفن کا
 دنیا کی طمع کہوں نہ ہو انسان کو زیادہ اس چاہ کے انداز سے ہے طول، رسن کا

مدح سے کرتے ہیں جاہل کو ثلثا خواں مغرور
 بیت کو سجدوں سے بناتے ہیں پرہمن کوسا؟
 آشیان ساتھ ہی لے کر ہے نکلنا بہتر
 مہن گراں، باغ کو چب ہوں تو نشیمن کوسا؟

بلبل یہ رات دن کا چمن میں خروں کیا؟
 کچھ خیر ہے، کہیں گے تجھے اہل ہوش کیا؟
 کھولوں زبان کو شمع کے مانند بزم میں،
 بہتھوں چراغ کشتہ کی صورت، خسوش کیا؟
 ”کامل“ کے سر میں روز ازل سے ہے سوز عشق؛
 رکھ گا سر کو وہ سر بالین ہوش کیا؟

اظہار شوق کر نہ سکی گل سے عندلیب گلچیں گیا تو باغ میں صیاد آگیا
 اک آسمان تازہ بناتی ہے آرز کے خاک اس کو بھی کھٹا سلہٹ ایجاد آگیا
 چمکی جواب میں ”ارنی“ کے جو برق طور مجھ کو کسی کا چاند سا رخ یاد آگیا
 کچھ دیر بے تمہزوں کے حلقے میں بیٹھ کر
 ”کامل“ دھان گور مجھ یاد آگیا

ہجر میں بالین پتہ، اے دل، موت ہی آبیٹھتی
 کوئی تو، میرے تزیئے کا تماشا دیکھتا
 اُن کی مرضی تھی کہ خوہں ہوتا جلائے دل کو میں
 پہونکتا خود اپنے گھر کو، خود تماشا دیکھتا

خضر کے مانند خواہاں زندگانی کا نہیں؛
 اے اجل، تشنہ میں اس دریا کے پانی کا نہیں
 درد کو ہموار کہوں لاتا ہے دل میں وہ خدنگ؟
 کھٹا سلہٹہ خود اُسے راحت رسانی کا نہیں

سائے کے چھوٹ جانے سے دھرو ہوں کیوں مدلول؟
 کیا اُن کے ساتھ راہ میں نقش قدم نہیں؟
 جاگر نماز کعبے کے اندر پڑھی تو کیا؟
 طاعت ہماری مایہٴ فاز حرم نہیں
 روشن ہیں کیوں جنازے کے ہمراہ مشعلیں؟
 نا آشنائے راہ ہمارا قدم نہیں

حاجت کا عہب چھپ نہیں سکتا جہان میں
 ساعد یہ وہ ہے جس کے لئے آستیں نہیں
 میں کیوں کسی سے دہلے لگا اے حریم دوست؟
 کیا تھرے آستانے پہ مہدی جیہیں نہیں؟
 ”کامل“ یہ رفعتہ رفعتہ بڑھائی ہے مشق صبر:
 دل مرگھا ہے اور ہم اندوہگھیں نہیں

گھٹا کر بدر کو لایا ہے حالت میں مہ نو کی
 بدل دیتا ہے دور چرخ ہیئت باکمالوں کی

لاہی مہدی ہی جلالی اُس بت کافر کو تھی؟
 کشتہٴ بیداد تھے آخر مسلمان اور بھی

میں ملاقات کو اُس کی جو حرم میں آیا
 شہبہ پہنچانے گیا تا در میخانہ مجھے

یہ سمجھ لے، بزم میں، اے شمع، آتی ہے اکر؛
 چلتے چلتے شام سے تجھ کو سحر ہو جائے گی
 بلند ہوتے ہی لحد، چلنے لگھیں گے دل کے داغ
 شام کے ہوتے ہی، اِس گھر میں سحر ہو جائے گی

آرام چاہتا ہے تو صحرا میں آ کے بیٹھ
 دیبا خنجرل ہے نرمی فرس گھاس سے
 پیدا کیا ہے رخ کی محبت میں داغ دل
 لایا ہوں یہ چراغ شہستان ماسہ سے

ٹوکس کی آنکھ باغ میں اچھی تھی یا بدی
” کامل “ کسی کے عیب کی تو پردہ در نہ تھی

آدمی دیر میں یا خانہ دار میں رہ
سر دھ دوست کے سجدے میں کسی گھر میں رہ
ہاکم۔ مالوں کو زمانے نے ابھرنے نہ دیا
صورت آئینہ تو بے ہوئے جہر میں رہ
چپ ہوئے روکے تو کھینچیں شرر افشاں آہوں
ہم کبھی ابر کبھی برق کے پھکر میں رہ

آنکھوں کو ہلک کر تو دکھائی دے دوے دوست
پوشیدہ آفتاب غبارِ نظر میں ہے

نہ دینا اس تصور کو چمکے اے دوست، خاطر میں
کہ تیرے ناوک بھدات مہرے دل سے نکلیں گے
نگاہ لطف سے مسکروں رکھے گا، خوشی اُس کی
دعا دیتے ہوئے ساقی کو ہم محفل سے نکلیں گے

قطعہ

نام کا تیرے وظیفہ تھا زباں کو صبح و شام
مرحبا، اے دردِ اُلفت، عشق ہے تیرا ہی نام
فمکدے میں خاطر ناشاد کے تشریف رکھ
ملول دل کو مشرف کر باعزاز تمام
عشق وہ سرکار ہے جس کی زلفِ خا ہے کلہوڑ
عشق وہ بازار ہے جس میں ہے یوسف سا غلام
عشق ہے صبحِ ازل کا حکمران بلند و بست
عشق ہے شامِ ابد کا رمزدانِ انتظام
عشق کے دریا کا اک قطرہ ہے، نہرِ سلسبیل
عشق کے صحرا کا اک گوشہ ہے، گلزارِ دوام
عشق ہے وہ نور، ہے امداد میں جس کا ظہور
عشق ہے وہ ربط، جس سے ہے عناصر کا قوام

باغ میں ہے بوئے گل اور دشت میں ہے نوک خار
سازگ کے دل میں شرور دریا میں ہے ماہی کا دام
سرنگوں خلوت میں ہے اور انجمن میں سرفراز
مدرسے میں ہے کتاب اور معرکے میں ہے حُسام

ذاکر

ذاکر علی "ذاکر" شاہ پور ضلع فتحپور ہسوا کے رہنے والے آگرے کی کمشنری میں سررشتہ دار اور حاتم علی بیگ "مہر" کے شاگرد تھے - ۱۳۰۴ھ کے بعد وفات پائی - ان کا دیوان جس کا تاریخی نام "نغمۂ بہار" (۱۳۰۳ھ) ہے مطبع بہار ہند، آگرے میں ۱۳۰۴ھ میں چھپا - فارسی کا بھی ایک مختصر مجموعہ ان سے یاد گار ہے -

"ذاکر" بڑے پُر گو شاعر تھے - کلام میں سادگی، روانی اور صفائی کا عنصر کم ہے [۱] انداز بیان پاکیزہ ہے - اور تغزل میں "ناسخ" کا رنگ معلوم نہیں ہوتا بلکہ "آتش" کا گداز موجود ہے -

غزلیات

عیاں اُنکے دل میں ہے جلوہ حسن جانان کا
فہار اپنا ہے غازہ عارض خورشید تابان کا

کچھ گدے اُن کا نہ شکو مجھ کو چرخ پور کا
آپ میں قائل ہوں اپنی خوبی تقدیر کا

قسمت میں جو لکھا ہے ملے گا وہی ہوشک
یہ حصہ کمی بھشی کے قابل نہیں ہوتا

کعبہ دل بت بھدیں جو ترا گھر ہوتا
کون پھر تھرے خدا کہنے سے باہر ہوتا

یوسف سے کہیں حسن جدا گانہ ہے اُس کا فرق اتنا ہے وہ شمع وہ پروانہ ہے اُس کا
لہتا ہے بلائیں دل صد چاک ہمارا اُلجھا ہوا بالوں میں کہاں شانہ ہے اُس کا

کہا تصور ہے تری انجمن آرائی کا ! بزم سے پتھر کے ہے گوشہ مری تہنایی کا
جس طرف آنکھ اُٹھاؤں وہی آتا ہے نظر حسن چناناں ہے مستخر مری بھلائی کا

خانہ دل ہے دم سرد سے تھلدا کیسا صورت یاد چلے اُنھے پردا کیسا
جل مرے غم جو تم آگ بجھانے آئے ہم نے گھر پہونک کے دیکھا یہ تماشا کیسا

لہا کدائی میں صورت سے اپنی کار زبان چھپا سکی نہ خموشی کہی سوال اپنا

وہ بت مجھ سے ناحق خفا ہو گیا خدا کی خدائی میں کیا ہو گیا
معجب الدعا ہو گیا دستگیر بلند اتنا دست دعا ہو گیا
کوئی دم میں ہم جائے گا توت کر دل درد مند آہلا ہو گیا
چھڑایا ہم زندگی سے مجھ مرض مہرا مجھ کو دوا ہو گیا

دل میں باقی ہے ابھی دشت نور دی کی ہوس
پار تلووں سے نہ ، اے خار بہا ہاں ، ہونسا

دے کے خط جان بھی دی ، دل بھی دیا قاصد کو
ہم نے اُس آفت جان کے لئے بھیجا کہا کہا

دشت غربت کے مزے یاد رہیں گے جب تک
رخ ادھر اے کشش حب وطن کہا ہو گا

معاف کر دیے سارے گناہ روز شمار خدا کو رحم جو آیا تو بے حساب آیا
نہ ہوئی آہوں سے کم ، روشنی داغ جگر گل کسی طرح چراغ اپنا ہوا سے نہ ہوا

پہ سجودہ کیوں سر جھکا ہے کسی کا ؟ وہ بت ، توبہ توبہ ، خدا ہے کسی کا

نہ چلا دب کے آسمان سے کہی مہرے مشیت غبار ، کہا کہنا !

کس کے گھر کی میں راہ بھولا ہوں ڈھونڈے ملتا نہیں جو گھر اپنا

ہم پری کہتے ہیں اُن کو ، وہ ہمیں دیوانہ ایک مدت سے یہ جھگڑا ہے ہمارا اُن کا

پہنچوں ابھی جو ترک رہ مدعا کروں اِس راہ سے ہے منزل مقصود دور کیا
کس درجہ پائمالی کی ہے آرزو مجھے افتادہ ہوں میں صورت تصویرِ نِہیں پا

ناتوانی سے مزا عشق کا حاصل نہ ہوا
میں ترے ناز اُتھانے کے بھی قابل نہ ہوا

میٹھانے کا تو حضرت واعظ نہیں خیال ؟
مسجد میں ایسے بیٹھے ہیں کہوں بہتخبر سے آپ ؟
جاگے نصیب طالع خفتہ شب وصال
سوئے نہ ساری رات جو بھم سکھر سے آپ

کیا ہے پست زمانے نے اِس قدر مجھ کو
زمین بلند ہے نظروں میں آسماں کی طرح

کہوں نہ ہوں صرف تواضع ؛ ہمت تن جاں ہو کر ؟
اُنی ہے مہروی اچل گھر مرے مہماں ہو کر

کہتے ہیں ناز سے وہ رکھ کے قدم مدفن پر
ہے مرے پانو کا احسان تری گردن پر

کیا سمجھ کر کوئی مرے تجھ پر نہیں چہلے کا اعتبار افسوس

کیا خاک ہو غمِ دل اندوہ گئی غلط لکھا نصیب کا بھی ہوا ہے کہیں غلط
دونوں جہاں میں تھرا پہلا شوکہ اے جڈوں تھرے ہی دم سے ہے غم دنیا و دیں غلط
جوابِ گریۂ شبنم ہے چشمِ تر مہروی تبسمِ آپ کا ہے انتصابِ خلدۂ کل

اندوہ و درد و یاس و غم و حسرت و ملال
کیا کہا نہ ساتھ لے کے چلے اِس جہاں سے ہم
ویرانی چمن کا نہ صدمہ ہو ، یا نصیب !
مر جائیں کاش پہلے ہی فصلِ خزاں سے ہم
نظروں سے آج اُن کی یکایک اُتر کئے
رونے کا ہے محفل کہ گریے آسماں سے ہم

صیاد کس کو اب ہے رہائی کی آرزو؟
 کذیجِ قفس میں خوش ہوں کہیں آشیاں سے ہم

روز حساب پرسش اعمال کچھ نہ ہو؛ یارب، ترے کرم کے ہیں امیدوار ہم
 خوفِ گنہ سے ہو گئی صورت ہی اور کچھ: کیا ملے دکھائیں گے تجھے پروردگار ہم؟

اس درجہ محوِ لطفِ قفس ہوں کہ اب مجھے
 یہ بھی خبر نہیں ہے کہ تھا آشیاں کہاں

دیر و حرم کا ہم سے پتا پوچھتے ہو کیا
 ہم مست ہیں خدا کے، ہموں کچھ خبر نہیں

اُن کا ہم مجلسِ نہوں حسن کے بازووں میں
 ایک یوسف تھا، سو وہ بھی ہے خریداروں میں

دھجھیاں دامنِ صحرا کی آرا دیں گے، جنوں!
 اب یہی تھہری ہے ہم چاکِ گریبانوں میں

دکھتا ہوں شانِ رحمتِ ایزد نگاہ میں
 سو سو ثواب ہوں مرے اک اک گناہ میں

دہی بعد رہائی بھی اسیری کی ہوس مجھے کو
 نہ بھولا آج تک، صیاد، آرامِ قفس مجھے کو

صبا کہی جو سوے کوے یار چلتی ہے لہے ہوئے مرا مشیتِ غبار چلتی ہے
 تہمے نہ سوزِ محبت سے ہر بھر آنسو، برنگِ شمع دھم جس انجمن میں رہے

شب بھر کا سارا جلوہ ہے پھر صبح کچھ نہیں
 پروانو، عمرِ شمع نہایت قلیل ہے

فرقت میں آئے موت تو یہ کہ کے تالوں ہم اللہ سے ملوں گے نہ بے یار سے ملے

میں نے اے دیوانگی، دیکھا نہیں دنیا میں کچھ:
 آنکھ بھی خالق نے مجھے کو دی تو پتھرانی ہوئی

خواب مہوں معصو تماشاے رخ یار رہے شکر ہے عالم غفلت مہیں بھی ہشہار رہے

موت کا کس کے قرارے کے لیے پیہغام ہے عاشق جانہاز مہیں مرنا ہمارا کام ہے

اسوہی نے کیا ہے تلک جاں سے گلا کہنے لگا طوق کراں سے

خدائی کا ہے دعویٰ کس زباں سے کوئی پوچھے بتاں بے دہاں سے

جہاں تہا مثال خضر تو کیا مہیں در گذرا حیات جاوداں سے

یوں تو سب قائل تکریر مقتدر مہیں مگر

یہ بتا سکتا نہیں کوئی کہ لکھا کیا ہے

موت مہری شکل سے بھزار ہے زندگی کی کیا ہو صورت دیکھو

کر گئے مہیں وعدہ محشر وہ آج کب ہو فرداے قیامت دیکھو

تم کہے جاتے ہو مہیں خاموش ہوں مہیں کہوں تو بات کیا رہ جائے گی

اک اک سے پوچھتا ہے جو اس انجمن مہیں ہے

فانوس مہیں ہے شمع کہ وہ پھر مہیں ہے

صغیر

شاہ غلام حیدر [۱] ”صغیر“ لکھنؤ کے رہنے والے شیخ دھرم کے بیٹے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے۔ پہلے ”ناسخ“ سے پھر ”رشد“ سے تلمذ رہا۔ ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ء) میں وفات پائی۔ ان کا ایک مختصر دیوان ”یادگار صغیر“ جسے انہوں نے ۱۲۸۳ھ میں مرتب کر لیا تھا، ان کی وفات کے بعد خان بہادر شیخ احمد حسین ”مذاق“ تعلقہ دار پریانواں نے ۱۳۰۵ھ میں شائع کیا [۲]۔ کلام صاف، سادہ اور تقریباً تمام اصناف سخن پر حاوی ہے۔ تصوف کا رنگ غالب ہے۔

مناجات

اے خدائے دو جہاں خالق اکبر تو ہے آفرینندہ مہر و مہ و اختر تو ہے
 ناچ بخش سر ہر خسرو و قصور تو ہے سامع شور و فغانِ دل مضطر تو ہے
 تھری تسبیح میں ہر شے ہے : وہ معبود ہے تو
 جس نے ڈھونڈا تجھے جس جا وہیں موجود ہے تو
 قوتِ باصرہ سب اہل نظر کو بخشی آگِ پتھر کو دی اور آبِ گہر کو بخشی
 تھری شام کو تلویحِ سحر کو بخشی منزلتِ عالم کو تو لہرِ ہلر کو بخشی
 خاکساری میں شہنشاہ کھلا درویشوں کو
 مہر و صل دیا عشق کے دلریشوں کو
 زندگی کا اثر چشمہِ حوواں کو دیا نورِ گرم آئینہ مہر درخشاں کو دیا
 جلوۂ سرور چراغِ مہ تاباں کو دیا چوہرِ عقل دماغِ سر انسان کو دیا
 اثرِ سعد دیا ہالِ ہما کے پیر کو
 ہورے متی کو دیے لعلِ دیے پتھر کو

[۱]—سخنِ شعرا میں حیدر علی نام لکھا ہے۔ [۲]—یادگار صغیر (مطبع قومی لکھنؤ)

پارسائی مری بدتر ہے گنہگاری سے غفلت خلتا ہے بہتر مری بیداری سے
خوب ہے خفہ میخوار مری زاری سے آگہی ہے تجھ اخلاص و دیہکاری سے
کس گنہگار کے عصیاں تجھ معلوم نہیں
پر ترے رحم سے خاالی کوئی معذور نہیں

نعت

تن خاکی اگر ہر بیاں ہو جائے تو ہو جائے حریم جسم بے بلہاد ہو جائے تو ہو جائے
تمام اس عمر کی مہمان ہو جائے تو ہو جائے دل اپنا شان یا ناشاد ہو جائے تو ہو جائے
نہ چھوٹے زندگی سے حشر تک دامن پھمپر کا
پہوں دست محمد سے پیالہ حوض کوثر کا
تصور ہے رسول اللہ کا آتھوں پھر مجھ کو وہی نور خدا ہر وقت آتا ہے نظر مجھ کو
جمال پاک اُلفت نے دکھایا! عمر بھر مجھ کو یہی ورد زبان ہے رات دن شام و سحر مجھ کو
نہ چھوٹے زندگی سے حشر تک دامن پھمپر کا
پہوں دست محمد سے پیالہ حوض کوثر کا

منقبت

خالق نے دی تو تیغ شجاعت انہوں کو دی
حائم سے بھی زیادہ سخاوت انہیں کو دی
گو اولیا بہت تھے ولایت انہوں کو دی
سب کچھ جو دے چکا تو شہادت انہوں کو دی
ان پر خدا نے مرتبوں کا خاتمہ کیا
طرفہ یہ ہے کہ زوج پے فاطمہ کیا
شیر خدا علی ہیں ید اللہ ہیں علی
شاہان دو جہاں میں شہنشاہ ہیں علی
راز خدائے پاک سے آگاہ ہیں علی
مثل نبی مقرب درگاہ ہیں علی
ذات رسول پاک تو ہے رہنمائی کو
شیر خدا ہیں خلق کی مشکلمکشائی کو

خمسۂ نعتیہ

ابر رحمت کی صفت میں ہے مجھے تشنہ لہی
 کون سی بات کہوں وہ کہ نہ ہو بے ادبی
 خوب مضمون بتایا ، زہ اعجاز نبی :
 مرحبا سود مکی مدنی العربی
 دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

غزلیات

خدا نہ دے کسی دشمن کو رنج تنہائی ہزار شکر کہ دل غم سے دافدار ہوا
 مستی ساغر مے ہوتی اگر ، اے ساقی ، عہد پیروی کو میں ایام جوانی کہتا
 کس طرح دل کو کلچے سے لگائے نہ رہوں
 یہ وہ آئینہ ہے جس میں رخ جانان دیکھا
 جذب باطن سے مرے گھر وہ گل اندام آیا آج مہرا دل بیعتاب بہت کام آیا
 غالب بے روح کو وہ بے قراری اب نہیں
 جان شاید اُس پر پرو پر فدا تھی میں نہ تھا
 جذبہ دل نے متایا صدمہ کذیب نفس بولے گل آئی پرہ تسکون جان عداوت
 پیام یار کہاں کا ، جواب خط کوسا ؟ مجھے ملی نہیں مدت سے نامہ ہر کی خبر
 توپ توپ کے لگانا ہوں تگرہیں در پر نہ درد دل کی خبر نہ درد سر کی خبر
 بتوں کی بے خبری سے تمام ہو جاتے اگر خدا کو نہ ہوتی دل بشر کی خبر

✓ دل دے چکے تھے آپ کو اب مر کے جان دی

وہ ابتداءے عشق تھی یہ انتہاءے عشق

قیس یہ دیکھتا تھا نالائہ لہائی کی طرف کہ آرائے کی ہوا پردہ محصل کب تک
 جزو و جناے یار سے شکو نہیں ہمیں اپنے کہہ کی آپ سزا کچھ تو پائے دل
 تمہارے ظلم و ستم لکھ رہا ہوں گن گن کو مرا حساب ہے روز شمار کے قابل

فراغت ہو گئی ہے ' اے جنوں ' چاک گرہماں سے
نہ ہو بیتاب صحرا کا بھی دامن دیکھ لیتے ہیں

دونوں ہیں ایک ' نفل کو دیکھوں کہ اصل کو
آنہلہ اُس سے ہو جو مقابل تو کہا کروں

گو کہ جنت میں ہوں طوبی کے تلے پر ترا سایہ دیوار کہاں ؟

رہتی ہے بختہری مجھ کو جہاں رہتا ہوں
ہجر میں یہ نہیں معلوم کہاں رہتا ہوں

دوستو ' حال دل زار کہوں کہا ایسا ؟ پوچھتے ہو وہی جو بات بتانے کی نہیں
اشکوں سے جو سینچا تو پھلا نفل تمنا محنت نہیں ہوتی کبھی پرہاد کسی کی
بیتاب ہوں میں وصل میں فروقت سے زیادہ انداز میں دنیا سے فرالے مرے دل کے

ایک دن داغ اے مہ کامل دکھائیں گے تجھے
چاک کر ڈالیں گے سہنہ دل دکھائیں گے تجھے
دیکھوں گے چہرے ہماری لوگ خود بھٹی تری
آج آنہلہ سر مہفل دکھائیں گے تجھے

کس کی صورت ورق دل پر اُتر آئی ہے
وہی آنکھوں میں ہے پتلی وہی بھٹائی ہے
قسمت کے لکھ کو کہا کروں میں نامہ تو ہے نامہ بر نہیں ہے

قصیدہ

واجد علی شاہ کی مدح میں
شہ گردوں نشیں ' قطب زمیں ' مہر جہانپانی
سلیمان زماں ' سلطان عالم ' ظل سبحانی
فریدوں سلطنت ' جمشید فر ' نوشہرواں نصرت
سکندر بارگہ ' دارا حشم ' کھٹسرو ثانی
بیان حسن سہرت یا بیان حسن صورت ہو
سکھائے حاتم طائی ' لقاے ماہ کلعانی

جمال شاہ کا ہندوستان سے قاف تک فل ہے
 حسینان جہاں خود رفتہ ہوں پریاں ہوں دیوانی
 اگر تصویر کھینچی جائے اس روئے منور کی
 شعاع مہر ہو ایک ایک موئے خامۂ مائی
 فروغ چہرۂ یوسف مرقع سے نظر آنے
 مثال دیدۂ یعقوب اندھیرا گھر ہو نورانی
 جلے شمع رخ ' پروانۂ ہوش پری رویاں
 ہوائے دعب سے گل ہو چراغ عقل انسانی
 ہوا سے بے سبب جلدش میں کب ہے دامنِ رایت
 ہمارے قتم ہے شہپر سے مصروفِ مگسراںی

مسندس

کہا بے ثبات گردش لیل و نہار ہے دن کو نہ ہے قرار ' نہ شب کو قرار ہے
 شام بقا سے صبح فنا ہمنگار ہے مضمون بانگ مرغِ سحر آشکار ہے
 غافل یہ وقت طاعت پروردگار ہے
 اب چونک بچھلی رات کا کیا اعتبار ہے
 سرو رواں میں زور روانی کہاں رہا اٹل سا لطف سحر بھانی کہاں رہا
 سر چہمۂ حیات میں پانی کہاں رہا پیوری میں خواب عہد جوانی کہاں رہا
 غافل یہ وقت طاعت پروردگار ہے
 اب چونک بچھلی رات کا کیا اعتبار ہے

رباعی

کھونکر کہوں خوشگونی کی خو مجھ میں ہے
 میں تجھ میں ہوں اے حسن جو تو مجھ میں ہے
 خوبی ہے تو دعوے سے زباں بند رہے
 گل یہ نہیں کہتا ہے کہ ہو مجھ میں ہے

مرثیہ

کہا مجلسِ حسین علیہ السلام ہے تسبیحِ سلک اشک ہے ذکرِ امام ہے

اِس انجمن کا فرش بھی فرشِ احترام ہے منبر یہ طور ، ذاکر موسیٰ کلام ہے
 فانوس ، رشک لالہ باغِ خلہل ہے
 بیتکا نہیں علم مہوں پر جبو ٹیل ہے
 یہ بزم ہے وہ باغ کہ بلبلِ ثواب ہے موتی ہے آبِ اشک ، پسینا کلاب ہے
 شرمندہ داغِ دل سے گلِ آفتاب ہے ساداتِ مرمیوں کی صفت بھکساب ہے
 جو بزمِ تعزیت مہوں ہے وہ حق پسند ہے
 مثلِ عام ہر ایک کا رتہ بلند ہے

پہراہنِ سخن ہے پر قامتِ زبان اِس پھرہن کی جھب مہوں ہے گوہرِ زبان
 ذاکر بھی ہے زبانِ بھان سے گہرِ فشان منبر ہے لامکانِ تعلیٰ کو نردبان
 مانند مہر و ماہِ مہما میں بلند ہیں
 اِس مرتبہ میں خلعتِ قدرت کے بلند ہیں

قطعہ

تہنیتِ انیسِ الدولہ بہادر

مبارک ہو آئہی عہد کا دن زیادہ ہو برس ہو شادمانی
 قہامِ عہدِ دولتِ صدرِ بھر ہو دھ ہو دمِ خدا کی مہربانی
 پرنگِ نشیۂ صہبائے دیریں ضعیفی تک دھ جوشِ جوانی
 صہبا بخش جہاں ہو نہرِ بخت مثالِ نورِ مہرِ آسمانی

تاریخِ مسجدِ شیخِ عالم

زندگی ہے یہاں کوئی دم کی برگِ گل پر ہے بوندِ شہلم کی
 نامِ عالم مہوں دہ گیا ہے ”صغیر“ یہی مسجد ہے شوخِ عالم کی
 ۱۲۲۸ھ

تاریخِ شادی شادِ مہدی عطا

بہت دن سے تھی آمدِ کتخدائی شبِ عقدِ آئی ، تمنا ہو آئی
 بگے اِس قدر بڑا مہوں خوانِ نعمت کسا سے چھتی بانوے بھلوئی
 براتی ہیں سب اولہاء و مشائخ دے پاکبازی دھ پارسائی
 ہوئی شادیانے سے آواز پھدا ہوئے ہاتھ مہدی عطا کے حلقائی

اماموں سے بارہ ملے سہم کرے جب تو نو قادروں سے ملی نو دعائی
ہزار و دو صد مہوں فراہم نود مہوں میں خمسہ چست سے ہے اِکائی
۱۲۹۵ھ

وہ تاریخ ہجری ہے یہ سال فصلی ہمایوں ہمایوں ہو یہ کنگدائی
۱۲۸۵ھ

ہجرت

تربہون ناتھ ”ہجرت“ پلڈت بشمبہر ناتھ ”صابر“ کے بیٹے ۱۸۵۳ع
 (۱۲۷۰ھ) میں فیض آباد کی تحصیل چلہا میں پیدا ہوئے۔ مکتب میں
 اُردو اور فارسی کی تحصیل کے بعد کولنگ کالج لکھنؤ میں ایف اے تک
 انگریزی پڑھی۔ ”قدر“ بلگرامی سے مشورۃ سنتن کرتے تھے۔ طالب علمی ہی کے
 زمانے سے ’اودھ پنچ‘ اور اخباروں میں مضامین لکھا کرتے تھے۔ ۱۸۹۲ع
 (۱۳۱۰ھ) میں وفات پائی۔

”ہجرت“ بڑے بڑے سلیج شاعر اور نثر نگار تھے۔ کلام سے سلاست اور روانی کے
 علاوہ ’طبیعت کی شوخی اور چلبلا پن نمایاں ہے [۱]۔

’اودھ پنچ‘ کا نیا سال

بہار آئی ہے، پھولے چمن، شجر ہیں نہال
 ہرے ہیں سبزے سے جنگل، گلوں سے گلشن لال
 چمن کو پھول مبارک ہو، پھول کو خوشبو
 اودھ کو ’پنچ‘، ’اودھ پنچ‘ کو یہ دوسرا سال
 بہرے کھیتہ نرالی ہے سبج نرالی دھبج
 خدا گواہ، نہا سکہ ہے نئی نکسال
 یہ بول چال جدا ہے یہ چال تھال جدا
 جدا سنتن کی روں ہے جدا یہ طرز مقال
 ہوں لوگ جھومتے ہیں تھل و قال پر اس کے
 کہ جس طرح کسی صوفی کو آئے بزم میں حال

معاندین نے پتنگا بہت سرِ اس کے لئے
 مگر تراش خواہی اس کی پائیں تھا یہ مستحال
 کہاں یہ فوق سما اور کہاں وہ نصرت ثری
 کجا یراق نبی اور کجا خر دجال
 ھے ابتدا ہی میں اس کے بس انتہا کا مزا
 خدا کی شان مہ نو میں حسن بدر کمال

اب تو پھول پلا دے ساقی
 پیاس نہیں ھے بھونی بھانگ
 خالی ہاتھوں ڈھر کو آئے
 دام کا ذکر نہ لائے جا
 مسرف ہوں، صراف نہیں ہم
 'پلچ' کے دام بھی ہیں کچھ باقی
 رندوں سے اب کے پالا پڑا ھے
 ریچھ کا ناچ نہچایا ہم نے
 بجلی چمکی اُتر، دکھن
 کابل پر بھی مارا چھاپا
 توڑ بتایا، جوڑ بنایا
 سال مزے میں کاٹا ہم نے
 سال بھرے کی باقی لانا
 اُبلے مٹکا، ہتھکڑا برسے
 گرم پھالا قہقہائی ہواٹھوں
 خاک پہ برسوں چھڑچھڑ ہوندیں
 باغ پہ برسے بار بار
 نہر بھری ھے گردن گردن
 مانگیں زباں سے برگ دعائوں
 خوش رہیں یارب راجا پرچا

بادۂ احمر لا دے ساقی
 نشا جمادے دام نہ مانگ
 چار جو پائے آتھ اُڑائے
 جام پہ جام پلائے جا
 مانگے تو کہدیں صاف 'نہیں' ہم
 من میں دھرج رکھنا ساقی
 باتوں کا توری خرچ بڑا ھے
 روم و روس لڑایا ہم نے
 دیکھے سب نے قلم کے جوہن
 حال دکن کا سارا چھاپا
 شام اودھ کا رنگ جمایا
 'پلچ' سے ملک کو پاتا ہم نے
 'ہاں' میں 'دنگیں' ساقی لانا
 تھلہ لہی سے رند ہیں ترسے
 سرخ شراب اور اودی گھٹائوں
 گڑ گڑ بادل، پڑ پڑ ہوندیں
 جھوم کے آئے ابر بہاری
 کھسا نکھرا سارا کُلمشن
 فلچے چلکیں لے کے بلاٹیں
 دل ہو شکستہ چہن ہو ہرجا

جام چہاں نہا

دندوں سے کہاں چہہے گا ساقی پر سال کی مے ابھی ہے باقی
بہر دے جام شراب ، جلدی آمد آمد ہے سالِ نو کی
کچھ فکر نہ کر تو اُس کی ، اِس کی کس کی دھی اور دھے گی کس کی
مجھکو مے بہہشی پلا دے اچھے ہی گدوہ مہں ملا دے

مرفان چمن کا چہچہانا سبزے کا ہوا سے لہلہانا
ہر سرو پہ قمیڑوں کی پرواز پھاری حقِ سرہ کی آواز
تھنڈے تھنڈے ہوا کے جھونکے گلدستے چلے ہوئے گلوں کے
وہ صبح کا وقت اور وہ گلزار آنکھوں مہں سماکھا بس اکہار
ہر مرغ چمن چہک رہا تھا سارا جگمگ مہک رہا تھا
پہسلن تھی دوش پہ اِس بلا کی پھرتی تھی نسیم لڑکھڑائی
شبلم کا ہر ایک قطرہ دُر تھا منہ فلچوں کا موتیوں سے پُر تھا
اک ناز سے نہریں گھومتی تھیں ہر پایے شجر کو چومتی تھیں

لسان الغیب کشمیر

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے زمانے مہں تکم حسد ہونے والے
جہالت کے چشمے سے منہ دھونے والے خبردار اور بہتخبر سونے والے

گھٹا کی طرح چہا رہی ہے تباہی

تروی قوم پر آدھی ہے تباہی

ترے ساتھ کھا قوم نے کی برائی جو گمنام فہرست ہر جا گھمائی
یہ کھا تفرقہ ڈالنے کی سمائی چہتے باپ سے بھتے بھائی سے بھائی

بھلا مقتضایے ریاست یہی ہے ؟

شرافت یہی ہے ، نجابت یہی ہے ؟

تروی قوم کو اِس عداوت نے کھویا جہالت نے کھویا ، حماقت نے کھویا
بنا کھر ترا تھری حادث نے کھویا تجھے فکر بھجیا کی شامت نے کھویا

وہ حالت ہے جس کا سدھونا ہے مشکل

تہ اب سے اب اُبھرنا ہے مشکل

میری قوم کے پیارے کشمیری بھائی یہ ہمت دھرمی کہوں اُقلی دل میں سمائی
گہٹا خوف کی کہوں ہے آنکھوں پہ چھائی سمجھ بوجھ کر کہوں ہے بے اعتنائی
زرا دل میں سوچو تو لگے صاحب
ہے ظاہر میں کچھ دل میں کچھ 'واہ صاحب !

یہ غالب ہوئی دنیوی تم پہ مہرت کہ دنیا کو مقبلی پہ دی تم نے سہرت
بڑھی ایسی تکنیف بیجا کی عزت ڈھٹائی نگاہوں سے ایمان کی وقعت
نہ ہے اور نہ ہوگا یہ مسلک تمہارا
مبارک تمہیں دھریا پن تمہارا

ارے جوش قومی ' کہاں ہے کدھر ہے؟ یہ کیا ہو رہا ' دیکھ ' شام و سحر ہے
کبھی تیری انصاف پر بھی نظر ہے؟ تری قوم کی ' دیکھ ' حالت بتر ہے
جو مغلوب ہیں یا کہ ہیں صاحب زر
نگاہوں میں تیری تو ہیں سب برابر

بڑھی اس قدر " ہجر " نا اتفاقی گئی چہرت آپس کی سب خروش مذاقی
محبت کی ہو تک رہی اب نہ باقی نہیں ہوتے بھائی سے بھائی ملاقی
پھنسی قوم ہے ظلمت ما و من میں
ترقی کا چاند آ گیا ہے کہن میں

رشوت

ایمان کا گلا کاٹے وہ شمشیر ہے رشوت چھہدے جو جگر عدل کا وہ تھر ہے رشوت
محتاج ہو زردار وہ اکسیر ہے رشوت ظالم بھی ہوتا بدو میں وہ تستکیر ہے رشوت
رشوت ہی وہ ڈاؤن ہے کہ جلتے نہیں جس کا
رشوت ہی وہ ناکن ہے کہ ملتے نہیں جس کا
رشوت ہی نے ہم ہندیوں کا نام تہویا رشوت ہی نے تھکھر کا یہ نخم ہے ہویا
رشوت ہی سے اعجاز ہمارا گیا کھویا رشوت ہی سے حکام ہمارے ہوئے جویا
بے آپرو رشوت سے ہوئے سب کی نظر میں
رشوت ہی سے ایمان کی کشتی ہے بہنور میں
راشی فشب تھر خدا سے نہیں ڈرتے افسوس ' عدالت کی سزا سے نہیں ڈرتے

اللہ دے ستم! جور و جفا سے نہیں ڈرتے صدحیف! غریبوں کی ہکا سے نہیں ڈرتے
یہ لوگ جدھر دولت دنیا ہے اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں، بلعدۂ زر ہیں

حالت پہ غریبوں کی چلا آتا ہے رونا آرام سے گھر جن کو مہسو نہیں سونا
رشوت کے لئے بیچتے پھرتے ہیں بیچھونا برہاد اسی طور بدا ہے انہیں ہونا
تقدیر سے ناچار ہیں، کچھ کہ نہیں سکتے
بیچارے بلا زر کے دیے رہ نہیں سکتے

سائل تن تلہا ہے، ستمگار ہزاروں دراصل انار ایک ہے، بھمار ہزاروں
اک جان کی خاطر ہیں طلبگار ہزاروں اک دل ہے فقط اور دل آزار ہزاروں
بہر کس سے اس اندھیر کی فریاد کرے وہ
کہوں کر نہ بھلا روپیہا برہاد کرے وہ

چھرا سی بھی بے نذر تھہرنے نہیں دیتے اسوار کو گھوڑے سے اُترنے نہیں دیتے
پوئل کو کہیں پانو بھی دھرنے نہیں دیتے حاکم سے ملاقات بھی کرنے نہیں دیتے
ملتی نہیں مہلت کوئی دم ان کے ستم سے
ڈاکو کی طرح لوٹتے ہیں روپیہا ہم سے

حیرت

معتمد جان خاں ”حیرت“ بایزید خاں [۱] کے بیٹے الہ آباد کے رہنے والے، مرزا اعظم علی ”اعظم“ کے شاگرد تھے۔ ان کے دادا جہانگیر خاں فوج میں رسالدار تھے۔ ۱۲۹۶ھ میں دیوان شائع کیا۔ پھر ۱۳۱۰ھ میں اپنا کلیات چھپوایا [۲]۔

کلام میں گداز ہے، خصوصاً تغزل کا رنگ زیادہ دلوپذیر ہے، اکثر بلند پایہ مضامین ہوساختگی سے کہ جاتے ہیں، جس سے مشاق اور سخن سنج ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

غزلیات

ہر جز میں ہر اک کل میں تو ہی تو نظر آیا سرِ قال کے جب پردہ تو حید میں چھانکا
ہوں منتظرِ رحم دکھا شانِ رحیمی توتے نہ سہارا مری چشم نگران کا

یہ چرخ کھنہ پرورِ مجھ سے تیرھی چال چلتا ہے
آہی مجھ کو صدمہ ہو نہ اس کی کیج ادائی کا
عجب کہا وہ نکاحِ پاک سے اس کی طرف دیکھیں
کہ میرا دل تو آئینہ ہے اُن کی خود نمائی کا

گھا فل عرشِ اعظم پر جو حضرت کی سواری کا
ملک بولے یہ رتبہ ہے بشر کی خاکساری کا
آنارو عکسِ روے یار اپنے شہشہ دل میں
سلہقتہ ہے اگر ”حیرت“ تمہیں آئینہ داری کا

[۱]—سفنِ شعرا میں باز خاں نام لکھا ہے لیکن یہ عرف ہے۔ ملاحظہ ہو خاتمہ کلیات حیرت۔

[۲]—صاحبِ خطائے جاوید نے وفات ۱۸۷۵ء کے قریب بتلائی ہے لیکن کلیات حیرت کے تاریخی قلمے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۱۰ھ (۱۸۹۲ء) تک وہ زندہ تھے۔

اُمیدِ رحم نے دنیا میں رکھ لیا مجھ کو جودل میں یہ بھی نہوئی تو میں کہاں ہوتا

مہر و وفا و عیش و طرب کی تلاش میں
رنج و ملال مجھ کو ملا میں جہاں گیا
اپنا ہی حال تک نہ کھلا مجھ کو تاہمِ رگ
میں کون ہوں ' کہاں سے چلا تھا ' کہاں گیا
آئے سمجھ میں جب نہ یہاں کے تغیرات
نہ رنگسازِ تم ہو ' تمہیں پر گماں گیا
وہم و خیال و خواب ہے دنگ ہے بے ثبات
جب تم گئے جہاں سے ' تم سے جہاں گیا

شاہاں تھری دستِ درازی کو اے جنوں ' دامن کا چاک تا بہ گردیاں نکل گیا
سن لہجہ ' جنوں ' کہ تری آبرو نہوں فصلِ بہار میں جو کہوں دل سلجھ گیا

میں دیکھ لوں گا خانہٴ دل ہی میں جب تمہیں
تم بھی کہو گے : ہاں ' کوئی اہل نظر ملا
گذری تمام عمر اُسی کے بیان میں
افسانہٴ فراق بھی کیا مختصر ملا
کلیجِ مزارِ روح کو کیا مفت مل گیا
جب قصہ تنِ اجاز دیا تب یہ گھر ملا
روزِ ازل ملے ہو میں تھوڑے بجھے ہوئے
دل بھی ملا تو صورتِ شمعِ سحر ملا

وہی ہوتا ہے جو کچھ ہرتی ہے مرضی اُن کی
میں نے جو قصد کیا دل میں ' وہ باطل تھہرا
کھلچکتی ہے مجھے اب سوے عدمِ حبِ وطن
مجھ کو دنیا میں نہ تو ' اے مری مشکل ' تھہرا

یہ عکس ہے تمہارے رخِ بے نقاب کا یا آئینہ میں پھول کھلا ہے گلاب کا
جاگاہِ مدتوں کا یہ سوئے گا دیر تک موقع ملا نصیب کو پھری میں خواب کا
بوتاہوں کو سمجھے ہیں بیدا ریاں بشر کہتے ہوں جسکو موتِ وہ عالم ہے خراب کا

کون بدننام ہوا لوگ کسے ہنستے ہیں آپ سمجھیں تو نتہجہ مری رسوائی کا
گر مرا جذب دلی اپنا اثر دکھائے فائنہ تم بھی پڑھو صبر و شکیبائی کا

وحشت زدوں سے لطف جنوں کچھ نہ پوچھو ہم کیا کہیں کہ ہوتا ہے دیوانے پن میں کیا
آنکھوں نے آپ کی تہ و بالا کیا جہاں ہوتا ہے اور گردن چرخ کہن میں کیا

روز فرقت تو کسی طرح سے مر مر کے کتا
دیکھیں اب ہم کو دکھائے شب ہجران کیا کیا

پیمانہ دل عشقی سے بھر جائے تو اچھا ہر پیر کے یہ مرکز پہ تھہر جائے تو اچھا
جس نے مجھے دنیا کے تماشاں کو دکھایا اب اُس کی طرف مہرِ نظر جائے تو اچھا
ہو اُس گلِ رعنا کی مجھے کون سنگھائے اے باد صبا ، تو ہی اُدھر جائے تو اچھا
روتا ہوا آتا ہے خراباں جہاں میں ہلستا ہوا دنیا سے بشر جائے تو اچھا

سرشار مے عشقی پہ ہوتے ہیں اشارے لبریز ہے اب عمر سے پیمانہ کسی کا
بیچپن کو دیتی ہے باطن کی محبت ناحق کوئی ہوتا نہیں دیوانہ کسی کا

شریکِ روح ہے قالب میں آئینی اُلفت یہ جب تلک ہے مرا دم نکل نہیں سکتا
سمومِ عشقی سے یارب بچائو دل کو چراغِ عمر ہوا گل تو چل نہیں سکتا

نہیں سنتا کبھی شیون کسی کا آئنی دل نہ ہو دشمن کسی کا

بوا پہندا ہے زلف مشکبو کا پوا اس میں اکر کوئی تو چوکا

کون جی دیتا ہے 'دل کون فنا کرتا ہے؟ حوصلہ دیکھو آج اپنے خریداروں کا

تم نے روں تھغ جو سکھائی نظر کو ہم نے دل سرکھ سے لیا کام سہر کا

یہ جتنے مذہب و ملت ہیں سب دنیا کے جھگڑے ہیں

زرا سمجھو تو خالق کون ہے شہخ و بوہمن کا

واں تو بھکار ہیں سب عقل و خرد ہوش و حواس

کوچہ عشقی میں ہے کون نگہاں کس کا

✓ جس دن سے تمہیں دیکھ لیا پھر گیا مجھ سے میرا نہیں ، اب ہے یہ دل زار تمہارا

تیغ نگہ ناز کا مارا نہیں بچتا۔ اس گھات جسے تم نے اُتارا نہیں بچتا
 کہو: مگر نہ کریں آپ کی ہم دل سے اِطاعت ہے اِس کے تو ایمان ہمارا نہیں بچتا

آپ کے عشق میں ہیں زندگی و موت خواب
 ہم نے دونوں کو بہم دست و گریبان دیکھا
 جب کہا آپ کے جانناز کہاں رہتے ہیں
 چشم حسرت سے سوے گور غریبان دیکھا

بوالہوس عاشق جو ہیں اُن سے کسی دن پوچھئے
 کس کا کس کا موسم گل میں گریبان چاک تھا

سنتمے ہیں کہ بچتا نہیں مشتاق تمہارا جو کچھ ہو مگر ترک وفا ہو نہیں سکتا

ہر شب دکھانا پھرتا ہے شرمندگی کا داغ
 جب سے تمہارے بام کی جانب قمر گیا
 کہتے ہیں اُس کو زندۂ جاوید اہل دل
 چو آئے آپ کے در دولت پہ مر گیا

”حہرت“ دم فلغا بھی زباں پر ہو اُن کا نام
 نکلے قفس سے طائر جاں بولتا ہوا

سنا خنجر بکف قاتل کھڑا ہے آج مقتل میں
 چلیں جانناز، اب موقع ہے قسمت آزمائی کا
 زباں سے ہم نہیں کہتے مگر کانوں سے سنتے ہیں
 وفاداروں میں چرچا ہے تمہاری بیوفائی کا

ماتم زوا چشم علایت سے اِشارة تو کرو لاکھوں ہو جائیں گے شرمندۂ احسان پیدا
 سب ترے ظلم کی فریاد اُسی سے ہوگی تجھ کو جس نے کہا اے فتنۂ دوراں پیدا
 فرمائو تو آپ کی الفت کسے نہیں اک میں تہہ رکھا جو گنہگار کیا سبب
 کہتے ہیں ترے عشق نے رسوا کیا ہم کو کیا خوب نکالی مرے الزام کی صورت
 سوتا ہے اِک جہان تصور میں آپ کے میں لوتتا ہوں اور مرا دل تمام رات

یہاں تک کہا دیوانہ کہ بللے لگی زنجیر اب آنے کہوں پانو نہ پھیلائے مصیبت

کھونکر بکھر نہ جائے ہر اک اِسکی پلک ہوتی فلپچے کے لگ ٹلٹی ہے نسیم سحر کی چوٹ

چشم جانان میں ہم حقیر ہوئے دیدہ انتظار کے باعث

ہو رہا ہے حلقہ زنجیر 'مازم خانہ آج قید ہستی سے چہنشاہید کوئی دیوانہ آج

پہنچی ہے بابِ اجابت تک دعاے میکشاں

مژدہ 'اے ساقی' کھٹا آئی سوے میٹھانہ آج

حال پرسی کو مری آیا جو وہ آفت جاں دعب نے دے دیے تانے لب اظہار میں آج

خواب و خیال گلشن ہستی ہے 'قافلو' یہاں کی خزاں بھی ہوچ 'یہاں کی بہار ہوچ

نہ نہلند آئے کی مجھ کو نہ موت آئے کی

بتائو تو شب ہجر میں گذر کی طرح

دھونڈتا ہوں میں نہیں لگتا کہیں اُس کا پتا

کہا تمہاری آنکھ کے پردوں میں چھپ جاتی ہے نہلند

سرکشی نالہ خاموش کی دیکھو تو زرا بعد مرنے کے بھی اُٹھتا ہے بگولا ہو کر

کریں وہ سکتھیں ہم پر جہاں تک اُن کا جی چاہے

دھیں گے ہم اُنہیں کے در پہ سنگ آستان ہو کر

جہاں سے چل بسے کہا کہا ہمارے قافلے والے

ہمیں پہنچے رہے افسوس گرد کارواں ہو کر

ساقی مجھے جامِ مہ وحدت نہ پلایا 'میٹھانہ بنا کر

کہوں چشمِ فسون ساز کی گردن سے پھر لایا' پیمانہ بنا کر

آمد و شد سے نفس کی یہ کھلا راز مجھے

کہ مرے دل کی خبر جاتی ہے سرکار کے پاس

جانہری کی مری اب شکل یہی ہے مولا

کہ تیرا رحم ہی آجائے گنہگار کے پاس

مجبور عشق جس کو لوگ کہیں اُس گنہگار کا خدا حافظ
وہ بھی بہار دیکھ کے حیران ہو گئے اہل ارم کو جا کے جو ہم نے دکھائے داغ

شمع دو جب تک نہ آئے حسن معطل ہے چراغ
جب وہ آ بیٹھے تو پھر تحصیل حاصل ہے چراغ
جس پہ جلتے ہوں پتنگے اُس کی لو تم سے لگی
صورت پروانہ دل سوزی میں کامل ہے چراغ
کب تک تشریف دیدار رہوں میں ' یا رب !
مجھ کو پہنچا دے مرے ساقی کوثر کی طرف

فوطے کھانا ہوں ابھی تو بکھر فم میں آپ کے
دیکھوں کب لے جاتی ہے تقدیر ساحل کی طرف
وحشہو ' مؤدہ علامت ہے بہار آنے کی
میں ہوں کہ نہ ہوں اور کسی کام کے لائق
خود بخود ہاتھ لہکتا ہے گریہاں کی طرف
ہو جائے زباں مہری ترے نام کے لائق

کہتے ہیں جس کو دام اُسی کو رحیم بھی
اپنی سمجھ میں کچھ نہیں دیر و حرم میں فرق
تقدیر کا لکھا کبھی " حیرت " مٹا نہیں
ہوتا نہیں نوشتہ لوح و قلم میں فرق

اب تو ہے زندگی و موت میں جھگڑا ' دیکھیں
دونوں دھتے ہیں بہم دست و گریہاں کب تک
نالے شب فرقت میں کیے میں نے سحر تک
اللہ رے فطرت ' نہ ہوئی تم کو خیر تک

متاع صبر کہو بیٹھے رقیبان سہم دو بھی
تسہاری راہ وہ ہے جس میں لٹ جاتے ہیں دھڑن تک
جہاں دل تیر مڑاں کے نشانے سے نہیں بچتا
نگاہ شوق کہتی ہے بھلا چلیے تو چلن تک

کہا بلبل نے قیدی ہوں تری قسمت کی خوبی سے
 نفس بھی وہ ملا ہم کو نہیں ہے جس میں روزن تک

کیا رسائی ہو گئی اس کی بھی چشم یار تک
 نہند آتی ہی نہیں اب دیدہ بودار تک

دیور و حرم اُسی کے ہوں: اے شہخ و برہمن کافر سے وہ جدا ہے، نہ دیندار سے الگ

تمہیں جہاں میں رہو، میں تو، 'لو' عدم کو چلا:
 تمہارا شہر جدا ہے مرا دیار الگ

دل ہے پسند، لہجہ ہے، لیکن یہ شرط ہے پہلو میں آپ رہیے ہمیشہ بجائے دل

لطف کیا ہے گلوں میں نہ رہی ہوے وفا
 اب مناسب ہے گلستان میں نہ جائے بلبل

سنجھا لے ہمیں اب آپ، سرور عالم! گذر گئے ہیں زمانے کے اعتبار سے ہم

او تند خو، ہوئے ترے عاشق کہاں سے ہم
 جو دل میں ہے وہ کہ نہیں سکتے زبان سے ہم
 مہمان چند روزہ کی دعوت نہ ہو سکی
 شرمندہ ہو کے وہ گئے عمر رواں سے ہم
 باغ جہاں میں ہم ہی تھے کیا لائق خزاں
 ملتا کہیں تو پوچھتے اُس باغبان سے ہم

پکارا دست جنوں کو یہ دم خفا ہو کر
 ألجہ گئے ہوں گریباں کے تار تار میں ہم
 جسے سمجھتے تھے اپنا، وہ دوست اُن کا ہوا
 خراب ہو گئے اِس دل کے اعتبار میں ہم

گناہوں کی ندامت سے جو سر ڈالا گریباں میں
 تو دیکھا نور ایماں کو چمکتے داغ عصیاں میں
 آہی خیر کرنا بلبلوں کے آشہانوں کی
 سنا ہے آئیں کل خوب بھڑکی ہے گلستان میں

نورے عاشق کو تو سب اہل وفا کہتے ہیں
 اور جو اُس کو ستائے اُسے کہا کہتے ہیں
 عشق کے ، حسن کے رتبے کے سمجھنے والے
 ہم کو بیہوش ، تمہیں ہوش رہا کہتے ہیں
 میں قم و درد سے نالاں ہوں ، مرے سہلے پر
 رکھ دو وہ ہاتھ جسے دست شفا کہتے ہیں

آرام ہے اُن کو جو ترے معصو لقا ہیں
 جب ہم کو درِ یار کے دھبہ کی ہوئی فکر
 بیتاب رہہ طارے ہیں جو دریائے جدا میں
 دل کی یہ صدا آئی کہ ہم قبلہ نما ہیں
 اکر وہ باغباں ملتا تو اتنا پوچھتے اُس سے
 نہال آرزو کتنے دنوں کے بعد پہلتے ہیں

بہکا رہے ہیں غور وہ حیران [۱] ہوں کہوے
 آنکھیں اُدھر ہیں دل ہے اُدھر بولتے نہیں

ہزاروں آفتوں میں بھی خدا کو یاد کرتے ہیں
 فرشتوں سے نہیں ہوتا جو آدمزاد کرتے ہیں

یہ کہکے معجزہ کو بیہوشجا ہے دنیا ہے زشت میں
 آخر وہی ہوا کہ جو تھا سرنوشت میں
 دوزخ کی راہ بھول کے پہنچا بہشت میں
 ہم رہے کے کیا کریں گے اکیلے بہشت میں
 کعبہ میں بھی وہی ہے وہی ہے کثمت میں
 ”حیرت“ جمال جاوے جانان کہاں نہیں

نظر، بتاؤ، جہاں سے بھلا پورے کیونکر
 عدم سے اُن کے دنیا کو جانتے ہیں وطن
 تمہارا نور ہے اِس انجمن کے پردے میں
 مگر ہے بے وطنی اِس وطن کے پردے میں
 یہ شمع دھتی ہے فانوس تن کے پردے میں
 تمام جسم ہے روشن تو روح کے دم سے

معصو جمال کو نہیں آتے نظر کہیں
 آتی نہیں ہے نہلد اجل تو ہی رحم کر
 لگتی ہے روز دولت دیدار ہر کہیں
 قصہ شب فراق کا ہو مختصر کہیں

تم تو دھتے ہو بدگماں دل میں
 آخر ہی ہم کمد اُلغت سے
 اب تمہاری جگہ کہاں دل میں
 لائے اُن کو کشاں کشاں دل میں

یہ حسد مجھ کو کہ اُن کا دوسرا عاشق نہ ہو
اُن کو یہ ضد ہے کہ کوئی دوسرا ہو' میں نہ ہوں

خرام ناز سے تلوار کی رفتار پیدا ہے
جہاں جاتے ہو واں گدبج شہیداں ہوتے جاتے ہوں
قلوں چھوٹتا جاتا ہے جوں جوں ہوش آتا ہے
کچھ اپنی بیوفائی سے پشیمان ہوتے جاتے ہوں
الغت میں کسی کی کوئی مرجائے تو جانہیں
یہ کام ہے اپنا ' کوئی کرجائے تو جانہیں

نہیں معلوم یہ اندھیر رہے گا کب تک یا الہی شبِ فرقت کی سحر ہے کہ نہیں
ظلم کرنے کا نتیجہ بھی کبھی ملتا ہے تم کو ہلکا مٹے معشر کی خبر ہے کہ نہیں
آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

جہاں کی سیر کر کے خانۂ اصلی کو جائیں گے
تماشا گاہ دنیا ہے' اسے مریلا سمجھتے ہوں
نفس کی آمد و شد ہی نہ ہو' تو کیا اجارہ ہے
طلسمِ زندگی کو ہم تو ایک دھوکا سمجھتے ہوں

نشانِ کفش پا اُن کا ملے کہوں کر کہ دستے میں
جہاں وہ پانو دکھتے ہوں ' بشر آنکھیں بچھاتے ہیں

یہ زندگی ہے جسے اضطراب سمجھتے ہوں
وہ شکلِ موت ہے سب جس کو خواب سمجھتے ہوں
گئے شباب کے ہمراہ زندگی کے دن
اب آئے جسم کی مٹی خراب سمجھتے ہوں
گئے اگرچہ ہوئے بے شمار ہم سے مگر
ترے کرم کو بھی ہم بے حساب سمجھتے ہوں

ہم تو نگاہِ لطف سے بہہ رہے ہو گئے کچھ سحر بھی ہے کیا نظرِ التذات میں؟

دل گیا کوچہ قاتل میں تو اب تک نہ پہرا
جان بھی جاتی ہے اب دل کی خبر لانے کو
گرمیِ حسن جلادے گی، خبر اس کی نہ تھی
آئے تھے گلشنِ ہستی کی ہوا کہانے کو

یہ محسو ہوئے دیکھ کے بے ساختہ پن کو
آٹھلے میں خود چوم لہا اپنے دھن کو

کوئی ناہم سمجھتا ہے کوئی دیرانہ
دیدہ بازی ہے رقبوں سے ہمارے آگے
تو نے رسوا کیا آخر دل مضطر ہم کو
دیکھتے ہیں جو دکھانا ہے مقدر ہم کو
کہ دو پہر آٹھں گے تسکینِ زبانی ہی سہی
دنِ جو راحت کا بھی ایک وقت معین ہے ضرور
تم نہ تھرو تو مرا دل ہی تھہر جائے دو
کوئی نادانی سے گھبرائے تو گھبرانے دو
آپ کے چہرے کے یہاں موری وفاداری کے
اب تو وہیں سب کی زبیل پر بھی افسانے دو

جلوہ فرمائے لامکن تم ہو
کوئی جس جا نہیں وہاں تم ہو

دیکھتے دیکھتے مرجائیں گے ہم یار کی راہ
دم بھی نکلے گا تو اس دیدۂ بیدار کی راہ

ہشیار جو مشہور ہیں دنیا کے طلبگار
جانی تو ہے یہ ہر رواں راہ طلب میں
وہ سب ہمیں انجام سے قافلِ نظر آئے
دیکھیں اسے کب عشق کی منزل نظر آئے

سنا ہے اُن کو منظورِ نظر تیغ آزمائی ہے
کہاں شوقِ شہادت نے مری گردن جھکائی ہے
سمجھ کر عاشقِ جانِ نازِ انا مت سنا ہم کو
اُسی نے دل دیا جس نے تری صورت بنائی ہے

اب لو کہیں چہور دو عہدِ شباب آنے کو ہے
ہوہی میں آؤ کہ وقتِ انقلاب آنے کو ہے
دیدۂ بیدار جو کچھ دیکھنا ہو دیکھ لے
حشو تک جس سے نہ چونکے گا وہ خواب آنے کو ہے

نہ خطا اپنی نہ اُن کی ستم آرائی ہے
 یہ مصیبت ہمیں تقدیر نے دکھلائی ہے
 سخت مشکل ہے کرو ضبط تو چلتا ہے جگر
 اور کھڑکت دل کہلے میں رسوائی ہے
 جان بچتی نظر آتی نہیں بیچڑیلی سے
 کھا ترے عشق کے پردے میں قضا آئی ہے

نکیرین آکے مرقد میں جو پوچھیں گے تو کہ دوں گا
 میں بلندہ ہوں اُسی کا جس پہ سب کا دم نکلتا ہے

کیا مری زندگی بسر نہ ہوئی ہاں مگر ایک طور پر نہ ہوئی
 شبِ فروقت کی سختیاں دیکھو دم فنا ہو گیا سحر نہ ہوئی
 آپ تک کوں مجھ کو پہنچانا جب کہ تقدیر راہِ بر نہ ہوئی

کیا جانے کس کے پاس گیا کچھ نہ پوچھو
 ہم سے ہمارے دل کا پتا کچھ نہ پوچھو
 کیا کہا خرابیاں شبِ غم کی بیاں کروں
 بے لطف زندگی کا مزا کچھ نہ پوچھو

کیا زمانے سے گئے عشق و محبت والے ؟
 اب کسی میں نہ مروت نہ شناسائی ہے

پہرتے ہی نظر تھری پورا مجھ سے زمانہ معلوم ہوا گردشِ ایام یہی ہے

قاتلوں میں عجب اندازِ جفا ہوتا ہے
 کوئی تڑپے تو وہ کہتے ہیں ”یہ کیا ہوتا ہے ؟“
 یہ بھی نہ رنگی قدرت ہے کہ بلندوں میں ترے
 کوئی بیہوش کوئی ہوش رہا ہوتا ہے

بہت ہی مہرے پاس تو ملے پھر کروہِ شوخ
 تقدیر کس مقام پہ پہلو بدل گئی

دیکھ کر عالم رویا میں اُنہیں میں سمجھا
خوابِ فطرت یہ نہیں بخت کی بھداری ہے

نہ تو کچھ فکر میں حاصل ہے نہ تدبیر میں ہے
وہی ہوتا ہے جو انسان کی تقدیر میں ہے
اُس کا ہر فقرہ ہے بیچھن جواب خط میں
ہے طبیعت میں جو شوخی وہی تحریر میں ہے

سن تو اے دشمن دیں اب تجھے کیا ہے منظور
کوئی دنیا میں مسلمان دے یا نہ دے

واہ دے شہرِ خموشاں کے بسانے والے
کہ ادھر جا کے پھر آتے نہیں جانے والے
یہ ترے پلند و وعظ کون سنے ؟ ناصحاً ، عالمِ جوانی ہے

کس طرح سے دل آپ نے پتھر کا بنایا
ہم کو بھی بتا دیجیے تدبیر کچھ ایسی

وطن چھوٹے تو کہو کس طرح قرار آئے
عدم سے آئے تو دنیا میں اشکبار آئے

اے گلِ صدائے نالہ مرے ہر نفس میں ہے
سہلے میں دل ہے یا کوئی بلبلِ نفس میں ہے

بہہوہی کیے دیتی ہے تاثیرِ نظر کی
اب ہم کو خبر ہے نہ ادھر کی نہ ادھر کی
جب عشق نہ تھا چہن سے اوقاتِ بسر کی
اب جی سے گذرتے ہیں یہ صورت ہے گذر کی
کروٹ تھی ادھر کی 'کبھی' کروٹ تھی ادھر کی
کل آپ کی فروقت میں یونہی رات بسر کی

رسوائے جہاں ہوتے ہو کہوں غہر کے باہت
جو 'لوگ' تمہیں کہتے ہیں ہم کہ نہیں سکتے

سلعا تو ہوں اکثر کہ وہ آنے کو ہیں تیار
لیکن مری تقدیر بھی جب راہ پر آئے

دست رس یار پہ کہوں کرم مجھے حاصل ہو جائے
اُس سے کیا زور چلے جس کی طرف دل ہو جائے

مذہب عشق میں عاشق کو عجب لطف ملے
کہ نہ وہ کفر میں حاصل ہے نہ اسلام میں ہے

قرچہ بند

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں
مشعل ہیں آپ خالق اکبر کی رادگی پور اصل کہا بھلا مرے بخت سہاگی
سلطانہوں کوئی بھی مجھ دادخواہ کی ہے آپ کو خبر مرے حال تباہ کی
مشہور خلق آپ کی مشکل کشائی ہے
موقوف آپ پر مری حاجت روائی ہے
بارالم نے مہری کمر چور چور کی آتی نہیں نظر کوئی صورت سرور کی
حالت بہت بُری ہے دل نا صبور کی ہو جائے مجھ گدا پہ عنایت حضور کی
مشہور خلق آپ کی مشکل کشائی ہے
موقوف آپ پر مری حاجت روائی ہے

قصیدہ

حضرت غوث پاک کی شان میں
غوث پاک اپنی دکھا دیجیے وہ شان مجھ
جس سے مل جائے چمکتا ہوا ایمان مجھ
جاؤں دنیا سے سبکدوش تو معشر میں کرے
سرخرو پیش خدا آپ کا إحسان مجھ
مہربانی سے عطا کیجیے وہ طور طریق
کہ زمانے میں کہیں لوگ مسلمان مجھ
ڈرے ڈرے سے جہاں نور آئی ہے عیاں
وہ مدینے کا نظر آئے بھابھان مجھ

قٹاعہ

گل خندان و چشم زم دیکھے	زلف و سنبل کے پیچ و خم دیکھے
بتکدے میں بہت صلہ دیکھے	سیکڑوں بلدے درم دیکھے
اہل ثروت، عرب، عجم دیکھے	صاحب طبلہ و علم دیکھے
ایک سے ایک محترم دیکھے	چشم ”حیوت“ نے زم سے دم دیکھے

سلیم

گوری شکر ”سلیم“ توجہ بہان عرف لالہ چہن سکھ کے بیٹے لکھنؤ کے
 رہنے والے، قوم کے کائستھ تھے۔ واجد علی شاہ کے زمانے میں تصنیف و تالیف
 کا شوق ہوا۔ احمد مہرزا ”صابر“ سے خوشنویسی اور عروض سیکھا۔ معتمد
 مہرزا ”انس“ شاگرد ”ناسخ“ سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ ان کا دیوان
 ۱۳۱۲ھ میں چھپا۔

کلام میں لکھنؤ کی قدیم شاعری کا رنگ جھلکتا ہے، مضمون آفرینی
 بھی ہے۔ اپنے زمانے کے رنگ کے موافق استعارے اور تشبیہ کے دلدادہ ہیں [۱]۔

غزلیات

فیض صحبت نہیں بے جوہر ذاتی مسکن
 قطرۂ شبدم کا صدف میں کبھی گوہر نہ ہوا

صاف باطن جو ہیں آنے ہیں برابر سب سے پیش
 عکس آنڈے میں یکساں ہے کدا و شاہ کا

وقت آرائش مقابل ہو کے روئے صاف سے _____ آنڈے نے کیا مزاج یار کو برہم کیا

دل و دیں عشق میں ہوئے بریاد _____ دیکھو اب کرے زمانہ کیا

لے گیا راہ حقیقت پر مجھے عشق معجز
 ہر بٹ رنگیں ادا سنگ نشان ہونا گیا

کبھی پہلو سے آنکھوں میں کبھی آنکھوں سے پہلو میں
 قہام دل ہے شوق دید میں کب ایک منزل پر

وقتِ گریہ ، کارِ قہرِ دامنِ تو نے کیا
گر پڑیں ہوندیں جو آنسو کی وہ گوہر ہو گلہوں

کیا کیا ہوس تھی آہِ دل بے قرار میں
کلیجِ قفسِ ملا مجھے فصلِ بہار میں

آنکھوں کو خوں دلائیے مڑگاں کی یاد میں
نشدِ ر سے چہرے رگِ ابر بہار کو

کہوں کیا تجھ سے حالِ دردِ فرقت _____ حکایت ہے زیادہ ، رات کم ہے

فیضِ ساقی سے کیا عجب ہے کہ مے _____ قطرہ قطرہ سبو سبو ہو جائے

اب لطفِ دید کیا ہے کہ آئے ہو نزع میں
دل مارنے کی جب مجھے مہلت نہوں دہی

جوہر

جوہر سلگھ ”جوہر“ منشی بختیار سلگھ ”راقم“ کے بیٹے لکھنؤ کے رہے والے، قوم کے کائستہ اور راجا لال جی کے حقیقی بھانجے تھے جو امجد علی اور واجد علی شاہ کے زمانے میں فوج کے بخشی تھے۔ کل محمد خاں ”ناطق“ اور خواجہ ”وزیر“ سے اصلاح لیتے تھے [۱]۔ اور مرزا ”غالب“ کے شاگرد رشید تھے۔ اردو کے پانچ دیوان ان سے یادگار ہیں۔ صاحب خمخانہ جاوید (۱۳۲۵ھ میں) لکھتے ہیں۔ ”ایام ضعیفی میں دس بارہ برس ہوئے کہ آپ کا انتقال ہو گیا“ اس حساب سے تقریباً ۱۳۱۳ھ میں وفات پائی۔

زبان کی خوبی اور سلاست کے علاوہ کلام میں تصوف غالب ہے۔ اکثر جگہ مسئلہ وحدۃ الوجود کو تغزل کے مقبول رنگ میں بیان کیا ہے۔

غزلیات

✓ صلم بھی اُس کے مظہر ہیں کروں سجدہ نہ کہوں جوہر!

نظر آنا ہے، جو کچھ ہے، نمونہ اُس کی قدوت کا

تھہرا وصال وعدۂ فردائے حشر پر دِل کو یہاں تحصیل روزِ دگر نہ تھا

دِل مے عشق سے مسرور ہوا، خوب ہوا: جام خالی تھا: یہ معمور ہوا، خوب ہوا

مجھ کو مارا تو نے، اے بھدا دگر، اچھا کیا: قصۂ طولِ مصیبت مختصر اچھا کیا

جلد لا سافرِ اناس میں، ساقی، مے لعل مروتی ہوسانا ہوا ابر کھر بار آیا

✓ خار کی طرح ملی باغِ جہاں میں تقدیر:

جس سے لہجوں وہ چہرہ الہتا ہے دامن اپنا

’جگانے صبح وہ بالہں پہ بے نقاب آیا اُٹھو بھی صبح ہوئی سر پر آفتاب آیا

ہم آئے عشقبازی کو ، تم آئے دلموازی کو ؛

کوئی اِس عالم اسباب میں کب بے سبب آیا

میرے مرض کا کچھ نہیں غور از فلان علاج دم لے کے تم یہ جائے گا، اِس کا کیا علاج؟

سب کھینچتے ہیں نالہ گرم اُس کے واسطے :

اِک شمع نے لکائی ہے یہ انجمن میں آگ

صبر آہی جائے گا ، اے نا مصحو ، تھک کے خود ہو جائے گا ناچار دل

وہ بادۂ خوار ہوں پہنچوں گا جب لب کوثر

تو دیں گے ساقی کوثر بھی بھر کے جام مجھ

طاہر

طاہر علی ”طاہر“ سید اطہر علی کے بہتے ’ فرخ آباد کے دہلہ والے تھے - حضرت ”بصیر“ لکھنوی اور امداد حسین ”منہر“ فرخ آبادی سے تلمذ تھا [۱] - شاعری کی طرف ابتدا ہی سے طبیعت مائل تھی - ان سے ایک دیوان یادگار ہے - جسے ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۴ء) میں مرتب کیا تھا اور ۱۸۹۵ء میں مطبع محمدی کانپور میں چھپوایا [۲] -

غزل میں تلمیحات سے کام لیتے ہیں ’ تصوف کے نکات دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں اور ’عمولی ترکیدوں میں بلند مضامین پیدا کرتے ہیں -

غزلیات

روز فرقت نے دیے داغ ’ جگر میں کھا کھا
مشعلیں جلتی ہیں دن کو سرے گھر میں کھا کھا
مجھ سے سوکھا ہے شب غم میں جو اندازِ فغان
درد ہے نالغِ مرقانِ سحر میں کھا کھا

تھر نظر سے جب تن لاف نہ اُرسکا تھوڑی بدل گئی کہ یہ کھسا نشانہ تھا
دوبا ہوا تھا اُلٹت ساقی کے رنگ میں طاہر میں گو لباسِ مرا صوفیانہ تھا

وہ نشئیے میں نہ لڑاتے تھے آنکھ غیروں سے
کسی زمانے میں یہ مہکدہ خراب نہ تھا
اب اُس کی بندہ نوازی جو بیکش دے ”طاہر“
ہمارے جرم کی کچھ حد نہ تھی ’ حساب نہ تھا

[۱]—سہن شعرا ’ ص ۳۰۱ و خاتمہ دیوان طاہر ’ ص ۲۵۹ -

[۲]—خاتمہ دیوان طاہر ’ ص ۲۶۰ -

آنکھوں ساقی سے ملا کر غہر جب رخصت ہوا
 شربت دیدار پیمانوں میں بھر کر لے گیا
 مانگتا ہوں مہوں بھی مسجد میں دعا تھیں وصل کی
 مجھ کو بھی عشق بتائے اللہ کے گھر لے گیا

چکر مہں داغ جلوں پہ مصائب دیتا جا نشانہاں مجھے تو اے شباب دیتا جا
 بہار توبہ شکن آگلی ہے اے ساقی، چمن کی خہر ہو جام شراب دیتا جا

فائیانہ ہی محبت نے جمائے نقشے
 مہں نے اُس بت کو، نہ زاہد نے خدا کو دیکھا

دیکھ لوں اہل نظر کھنٹ میخانہ آج
 چشم ساقی کی طرح گردہں مہں ہے پیمانہ آج
 وحشت دل کی حمایت پا کے، اے جوش جلوں
 عقل سے دست و گریہاں ہے ترا دیوانہ آج

پہلچئی کملد آہ فلک تک تو کہا ہوا بام مراد عشق ہے اِس سے سوا بلند

چار آنکھوں ہم نے کی ہوں، تو فصّہ نہ کھجھے
 سائل نہوں، فقہر نہیں، راہ گھر ہوں

حضور دیکھ تو لوں اپنے طاق ابرو مہں
 مہں دکھ کے بھول گیا ہوں دل خراب کہوں
 نہ آئے راز محبت زبان تک دل سے
 چہلک نہ جائے پیالے سے یہ شراب کہوں

کس خرابی سے ملا ہے در جانان مجھ کو
 یہوں رھنے دے اب اے گردہں درواں مجھ کو
 بخٹھ چاک چکر کے لہے اے دست جلوں
 کوئی باقی ہو تو دے تار گریہاں مجھ کو
 دھوکا دیئے کو فقہرانہ بدائی صورت
 پھر بھی پہچان گئے آپ کے دربان مجھ کو

دھی نفس مہں بھی مرنے کی آرزو مجھ کو
 دلے کا ہار ہوئی ہر رنگ گلو مجھ کو
 لحد میں رخ نہ کروں کوئے یار کی جانب
 جب اضطراب بھی دھم دے قبلہ رو مجھ کو
 مہں ساتھ ساتھ چلوں گا ابھی ابھی اے عمر
 سنبھال لیئے دے بار گناہ تو مجھ کو

مال و دولت سے مہں مستغنی ترے در کے فقیر
 کھینچا ہاتھ آئی ہے نقش قدم کی خاک سے

بڑھ گئی شوق شہادت مہں جو بختابی دل
 چال بسمل کی تمہارے جگر افکار چلے
 شکر ہے ہو گئی آسان وہ ملک عدم
 تیری تلوار کے سائے مہں گدھکار چلے

وہ دور کر نہ چلوں جسم زار باقی ہے
 ابھی الجھنے کو دامن سے خار باقی ہے
 بڑھاچکے مہں مرے سوگ مہں وہ سب زیور
 دے مہں اشک مسلسل کا ہار باقی ہے

اے گل ترے دیوانوں کی ہے وضع نرالی
 قہارت ہے جو دامن تو گریبان نہوں ہے
 ارباب صفا کو ہے تکلف سے غرض کھا
 آئیلے کے گھر کا کوئی دربان نہوں ہے

ابرو کا جواب ' اے بت عہار ' کہاں ہے ؟
 ' اِس کاٹ کی ' اِس گھاٹ کی تلوار کہاں ہے '

کیف

شونانہ ”کیف“ پلڈت بھج نانہ چک کے بیگے ایک کہلہ مشق شاعر تھے‘
 شاعری سے گہری داچسپی رکھتے تھے۔ جہاں پہنچتے مشاعرے کی طرح ڈال
 دیتے۔ سہارنپور، فیض آباد، گونڈا، اناؤ وغیرہ میں تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر
 رہے۔ پلشن کے بعد ریاست جے پور میں دیوان ہوئے۔ پھر ۱۹۰۹ء سے لکھنؤ
 میں مستقل قہام کرلیا۔ گونڈے سے ”گلدستہ کیف“ ایک ماحانہ رسالہ
 ۱۸۹۲—۹۰ء میں جاری کیا تھا۔ دیوان چھپ گیا ہے۔ ۱۹۱۳ء (۱۳۲۲ھ)
 میں وفات پائی۔
 کلام میں سلاست و روانی ہے۔ زبان شستہ ہے، بلندشوں چست اور دل
 نشین ہیں [۱]۔

غزلیات

کس جگہ تھوندے تجھے والہ و شیدا نہرا
 جب کہیں خاص نہیں کوئی تھکانا نہرا
 تو وہ پکتا ہے کہ جس کا نہیں ثانی پیدا
 کوئی بتلائے کہاں ہے کوئی ہمتا نہرا
 ”کیف“ اُمیدِ رہائی قہد وحشت سے نہیں
 یسائو کی زنجیر اب دامنِ صحرا ہوگیا
 کیسا ہے، کہاں ہے وہ، بتائے کوئی کیا ”کیف“
 بے نام و نشان کا تو نشاں ہو نہیں سکتا

آہ بھی لب پہ تھی اور نالہ شہکھڑ بھی تھا
رات مجھ سا کوئی اور اے فلک پھر بھی تھا
یہاں بسمل کی بچھانے کے لیے مقتل میں
آب خلیجڑ بھی تھا آب دم شمشیر بھی تھا
اُس کی محفل میں سوا تیرے بتا تو اے ”کیف“
کوئی خاموشی بھلا صورت تصویر بھی تھا

نہ تھا جوش جنوں میں جب لہو کا ایک قطرہ بھی
رگوں کو چھڑ کر پھر نہ شتر فساد کیا کرتا
تری قدرت کا جلوہ دیکھتا تھا میں حسینوں میں
سوا وحدت کے کثرت میں کسی کو یاد کیا کرتا

کسے خبر ہے کہ روز شمار کیا ہوگا خدا ہی جانے کہ انجام کار کیا ہوگا

جو گھا واپس نہ آیا بس وہیں کا ہو رہا
پوچھ پھر کوئی کسی سے کیا نشان کوئے دوست

وہ ہوں دم گشتہ میں واہ عشق میں اے ”کیف“ زار
خضر بھی تھو ندے تو پائے کچھ نشان مدت کے بعد

پائے وحشت دروتا ہے پھر بھابی کی طرف
بچہ رہا ہے ہاتھ پھر چھب و گریہاں کی طرف
قبل محشر ہو اگر منظور محشر دیکھنا
چلتے پھرتے جائے گور غریباں کی طرف

مر کے لانا میں وہاں کا کچھ پتا دور ہے ملک عدم نا چار ہوں
آمد و شد سے نفس کی دمدم ہو گیا ثابت کہ میں اک تار ہوں
بھولتا ہے عہد تو ہستی پر آسرا دم کا، اے حباب! نہیں
پلا دے آب خلیجڑ اور قاتل، ابھی باقی ہے دم اس نیم جاں میں
ہم بھی جائیں گے سوے ملک عدم جانے والوں کی خبر آنے دو

سریانی فن لباس ایسا حاجت اس کو نہیں رہو گی
 اللہ دے ہماری سخت جانی تھغ قاتل بھی خون تھوگی
 ساقی بھر کر پلا دے اک جام ہو خیر تری ' ترے سہو کی
 مسوٹھا کھا خیر لے گا کسی کی جب اُس کو آپ ہی اپنی پڑی ہے

بعد مرنے کے کسی کو نہ دکھائی صورت ملہ لپوٹتے ہوئے چادر سے خطاوار چلے
 مرتے دم وضع کے پابند یہ دونوں نہ رہے اک روہ راہ عدم ' فاقل و ہشیار چلے

کرے ضبط فغاں جب دل تو بتلا " کیف " فرقت میں
 لبوں پر آکے پھر کس طرح آہ نارسا تھہرے

قیصر

امین الدین ” قیصر “ شاہ ابوالظفر کے بیٹے ‘ شاہ محمد علیہم [۱] کے پوتے ‘ مرزا اعظم علی ” اعظم “ کے شاگرد ‘ شاہ اجمل الہ آبادی کے خاندان سے تھے ۔ ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے ۔ ایک مختصر دیوان ” فرمان سخن “ مطبع نامور ‘ الہ آباد میں ۱۳۱۸ھ میں چھپا ۔ ۱۳۳۴ھ میں وفات پائی [۲] ۔

کلام میں آئیں کا رنگ اور بوساختگی اور ندرت ہے ۔ جذبات کی ترجمانی خوب کرتے ہیں ۔ قافیہ اکثر تازہ اور شگفتہ ہیں ‘ قصائد میں آمد کی کوفت زیادہ نمایاں ہے ۔

غزلیات

کھنچے اے کلک نقشہ مطلع ابروے احمد کا
 سر دیوان پہ چمکے تاج بسم اللہ کی مد کا
 کھلا نام اسم سے اللہ کے مجھ کو محمد کا
 بیتا لام مشدد سے ملا میم مشدد کا
 نشان نقش پا ہے فہررت نور یدبہقما
 چراغ طور پروانہ ہے شمع روے احمد کا
 بہار گلشن فردوس پھر جاتی ہے آنکھوں میں
 تصور رنگ لاتا ہے ترے روضے کے گلاب کا
 کہے گلابیکہ کردیوان مجھ سے متعشر میں اے ” قیصر “
 جگہ دو خلد میں مداح آیا ہے محمد کا

[۱] — الہ آباد میں ” دائرۃ شاہ علیہم “ انہیں کے نام سے ہے ۔ سخن شعرا میں انہیں ” شاہ علیہم اللہ “ لکھا ہے ۔

[۲] — ” لغت جگر “ پیدائش کی ‘ ” آہ شاہ شاعراں ‘ قیصر “ وفات کی تاریخ ہے ۔

اب کہاں ہے جاوے دیدار بے پردہ نصیب
ایک دن موسیٰ سے لطف بے حجابی ہو گیا

امتی کہتے ہیں بندہ مجھے 'مولا تجھ کو'
اس طرح ذکر ہوا کرتا ہے مہر تہرا

یہ اُن کے بے نشانوں کے نشان ہیں
نہ مسکن ہے نہ ہے مدفن کسی کا

یہی "قہصر" ہے جلّت کا وسیلہ

نہ چہرہ ہاتھ سے دامن کسی کا

امانت ہے بتوں کا راز اُلّت دیدہ دل میں

تصور ہے مجھے آنکھوں سے اُن کی پردہ داروں کا

جھکا کر نشے میں سر ساقی مہکھ کے قدموں پر

لہا ہے بیدودی سے کام میں نے ہوشیاری کا

بتوں کو جبر کا شہوہ ملا سرکار خالق سے

ہمیں بخشا گیا سامان سب بے اختیاری کا

مرا خط کس طرح 'اے آسمان منزل' تجھے پہنچے؟

پر جبریل سے یہ غم کا دفتر اُتہ نہیں سکتا

فقیری تیرے کوچے کی کہیں بہتر ہے شاہی سے

تیری دولت سرا سے مر کے "قہصر" اُتہ نہیں سکتا

دیکھ کر اضطراب بسمل کا
توٹ جانا ہے دل بھی قاتل کا

اُن کو بے عدل آج دے دیں گے
یوں کریں گے معاملہ دل کا

خاک ہم راہ جستجو میں ہوئے
نہ ملا پر نشان منزل کا

اُن کی مڑکل تو پھر گم ہیں ہم سے
کون کانتا نکلتا دل کا

ہے نشانی پلدار عبث بادہ کشوں کو
ساقی نہ کسی کا ہے نہ مہخانہ کسی کا

نظر آتا نہیں پہلو میں ٹھکا نا دل کا
نکھ ناز آزانی ہے نشانہ دل کا

زور بڑھتا ہے ناتوانی کا
مشقِ اکِ درگ ہے جوانی کا

جاوے کر ہے وہ مہر پہلو میں
لطف ہے صبحِ زندگانی کا

ساقی پوری وشوں کی خبر کس سے پوچھو؟
جو مہکدے میں ہم کو ملا 'بے خبر ملا

کیا کیا مکان میں تھرے لہے اے جمال یار،
دل میں جگہ ملی تجھ آنکھوں میں گھر ملا
فعلت میں ہاے ہو گئی آخر تمام، عمر
پہری میں بھی نہ وقت نماز سحر ملا

اے شمع جاں، ہے بعد ترے قصر تن میں کیا؟
جب تو نہیں، تو اور ہے اس انجمن میں کیا؟

غضب ہے شام ہی سے وصل کی شب دل دھو کٹا ہے
خدا جانے کہ ہوگا حال کیا وقت سحر اپنا

جلد دکھلا سحر وصل کی صورت، یارب،
دل شب ہجر بتاں سے مرا گھبرا اُٹھا

خوب میسرے حال سے واقف ہیں اے دل، چشم و گوشت
لطف دونوں کو ملا ہے نامہ و پیغام کا

مہلا لہو، مجھ کھوں خار نہ ہو سیر چمن؟
کوچہ یار ہی چھوٹا، تو گلستان کس کا؟
آج ہی دست درازی جنوں دیکھتے ہیں
پردہ راجانا ہے، اے جھب و گریہاں کس کا؟

کر کے بسمل نہ مجھ، شوخ ستمگر، جانا	فصلہ آج توڑنے کا مرے کر جانا
خانہ چشم میں دھوے مرے پردہ ہے یہوں	دیکھوے دیکھوے، اچھا نہیں باہر جانا
یار نے خواب میں دیدار دکھایا ہے ہمیں	بخت خفتہ نے جگایا ہے مقدر اپنا
لا تصور میں کسی شمع کا جلو، اے دل	تو بھی فانوس خھالی میں بنا گھر اپنا
تہنغ ادا کے وار اُٹھاتے نہ کس طرح؟	پہلو میں دل نہ تھا، کہ ہمارے جگر نہ تھا
وہنا بتوں نے دل کا کیا اس لیے پسند	بہتر خدا کے گھر سے کوئی اور گھر نہ تھا

دھ شرم سہم کاری سے ہر دم سر گریہاں، میں
خدا کے سامنے اے دل، حجاب آپا تو کیا آپا؟

اللہ دے شان مسکن ڈیشان مصطفیٰ کرسی سے بھی بلند ہے ایوان مصطفیٰ
سایہ کرے گی نور خدا بن کے حشر میں اللہ دے شان وسعت دامن مصطفیٰ

جبہ سا ہو در سلطان اُمم پر اے دل سہدھا ہوتا ہے وہیں جا کے مقدر اُلٹا
خضر دل دیر سے کعبے کو لہے جاتا ہے راستہ مجھ کو بتاتا ہے یہ رہبر اُلٹا
یہ آج سوے گلشن جھونکا چلا خزاں کا اللہ ہے نگہاں بلبل کے آشیاں کا

مذہ دکھانا ہے خدا کو بھی ' یہ اندھیر نہ کر
حشر کا دن بھی کبھی ' اے شب ہجران ' ہوگا
قطع ہوگا نہ کبھی سلسلہ پردہ دری
اپنا دامن ' جو پھٹے گا ' تو گریجاں ہوگا

چومے نہ فتح پائے ید اللہ کس طرح خہر کشا تھی قوت بازوے مرتضیٰ
میں نہ جانا لے گیا دھوکے سے جنت میں مجھ
سامنے رضواں نے تیرے گھر کا نقشا کر دیا

کھل گلہں صورت گل جامہ نو کی کلیاں رنگ لایا تیرے دامن سے لہٹ کر سہرا
قرط شادی سے سماتا نہوں پوراہن میں اپنے جامے سے ہوا جانا ہے باہر سہرا
پھیلانے پانو ' ہاتھ میں جب دل لیا مرا نزدیک ہو کے یار کو دیکھا ' تو دور تھا
اللہ دے بھنگودی ' نہ ہوئی کچھ خبر ہمیں آئی خزاں ' گذر گئی فصل بہار کب ؟

جب چلی باد مخالف ' ایک دم میں مت کھا
جسم خاکی بھی مرا تھا نقش تعمیر حباب

مانع آہ و بکا ' دشمن فریاد ہیں آپ
سچ تو یہ ہے کہ غضب کے ستم ایجاد ہیں آپ
وہ ہوا کھاتے ہیں غیروں کو لہے گلشن میں
اور اے حضرت دل ' مفت میں برباد ہیں آپ

ہمارے دیدہ بھدار ہم سے کہتے ہیں ہمیں کبھی نظر آئی نہ خواب کی صورت
تھہرتھہر کے بھوک ' اے فراق کے شعلے ' مزا یہی ہے بھٹے دل کباب کی صورت

ترا مشقی جائے نہ ، اے شاہِ خوباں ،
 وہ سایہ افکن ہمارے محبت
 نہیں کچھ یہ موقوف شاہ و گدا پر
 جسے چاہے بندہ بناے محبت
 مرا درد دل اُس مسیحا کو لایا
 مرض ہو گیا خود دواے محبت

کھول کر ہم دل کہیں گے خوب حال زار آج
 رحم پر آیا ہے برسوں میں مزاجِ یار آج
 شب کو تھے وہ ہم بغلِ وقتِ سحر کچھ بھی نہ تھا
 سہل کل تک زندگی تھی ، ہوئی دشوار آج

شوق دیدار بڑھ گیا حد سے روزِ معشر کا انتظار ہے آج
 بے نہازی کا ہے غرور اُنہیں کوئی بندہ جو بیقرار ہے آج
 دغِ گلگوں ہے پُر مرق اُن کا کہا تپکتی ہوئی بہار ہے آج؟

وصل میں غش آگیا ہے تابِ نظارہ نہیں
 وہ تو نزدیک آگئے ہیں پر ہمیں ہیں دور آج

سبطین تھے گلدستہ گلزارِ نبوت تھی ایک میں بوا یک میں تھی خورے محمّد
 اے چرخ آج شب کو چڑھیں گے وہ بام پر دعویٰ ہو کچھ تو تو بھی زمیں پر اُتار چاند
 اکسیر ہوا خواب ، مقدر مرا جاگا ، سوئے میں ملی دولت دیدارِ محمّد
 ہاتھ رکھا جو بدن پر مرے تپ دور ہوئی دستِ جاناں کی لکھروں کو میں سمجھا تعویذ
 کہا میں ”قہصر“ کہوں کس چہن سے گزری شب وصل
 رات بھر یار رہا مہرے گلے کا تعویذ

روح آنکھوں میں چلی آتی ہے آنسو ہو کر پھیر لیتا ہے نگاہوں جو خفا تو ہو کر
 ہجرِ ساقی میں جو پیو تھاموں کبھی ، اے ”قہصر“
 میرے گلزارِ ٹپک جانی ہے آنسو ہو کر

مجھ کو حیرت ہے نہ اُتھتی تھیں کبھی شرم سے جو
 اب اُنہیں آنکھوں نے سیکھا ہے اشارا کیوں کر
 چہن آتا نہیں بے آپ کے دیکھے اِس کو
 دل بہتاپ پہ قابو ہو ہمارا کہوں کر؟

سوچتا ہوں کوئی پہلو نہیں ملتا مجھ کو :
دل مرے ہاتھ میں آ جائے تمہارا کیوں کر ؟

کوئی جاں بر نہ ہوا عاشق شہدا ہو کر
جان لی آپ نے کتلوں کی مسیحا ہو کر ؟
جان کر قہس کسی صاحب محفل کا مجھے ،
ناز کرتی ہے شب ہجر بھی لہلی ہو کر
راد پر اُن کو نہ آنا تھا ، نہ آئے ، افسوس !
ہم یہاں مت بھی گئے نہ تھیں کف پا ہو کر ؟

سختی نزع کے صدموں سے ہوا چہرہ کارا موت آئی تھی مرے پاس مسیحا ہو کر
حشر برپا نہ کرے آپ کی رفتار کا ناز دیکھو دیکھو اچھا نہیں ہر بار کا ناز
دامنِ گل کی ہوا چاک قہس تک لے جا اے صبا ، تو ہی اُٹھا مرغ گرفتار کا ناز
مجمع کافر و دیندار وہیں رہتا ہے کوچہ یار میں ہے دیر و حرم کا انداز
دیکھو کتنی ہے اے دل شب ہجر اُن کیسے آج بھڑک رہے مرے رنج و الم کا انداز

ہجر رہتا ہے وصالِ بت ترسا کے عوض
موت آئی ہے مرے پاس مسیحا کے عوض
دلِ مجذوں سے یہ ہر بار صدا آتی ہے
ہاے ، میں کہوں نہ ہوا محفل لہلی کے عوض

لہریز اُس کے دم سے ہیں مے کی گلابیاں
” قہصر “ مجھے ہے ساقیِ گلفام سے فرض

خَمِ مے بہرِ خداِ منہ سے لکا دے ، ساقی
ہوئی سہری نہ مجھے ایک ہی چلو میں فقط

اللہ اللہ دے ناٹھرِ شرابِ عرفاں وجد میں جھوم رہا ہے سرِ منہرِ واعظ

منہ خَم کا پھیر شوق سے تو جام کی طرف
ساقی نہ دیکھ گردنِ ایام کی طرف

بہتاب کر دیا یہ اسہری کے شوق نے
خود مرغِ روح اُڑ کے گھا دام کی طرف
دنہائے بے ثبات پہ تکبہ نہ کر کبھی
اے دل ، خہال چاہیہ انجام کی طرف

کہا جائتے تھے باغ جہاں خار زار ہے
پچھتائے آکے گلشنِ ایجاد کی طرف
کوچے مہوں تھرے اشک کے مانند ہم گرے
تو بھی تو آکے دیکھ اِس اُنعداد کی طرف

دیکھیں اُٹھتا ہے حجابِ رخِ تاباں کب تک
نظر آتا ہے چراغِ تہ داماں کب تک

گو فقاہت سے نہیں اب طاقت و فتار تک
لو کھواتے جاؤں گے لیکن درِ خمار تک
یوں نہ مہری خاک کو بہرِ خدا برباد کر
اے صبا ، لے جا اُڑا کر کوچے دلدار تک

بدن مہوں بادۂ کشوں کے جو اُونگتا ہے لہو ،
کہاں سے آگئی ساتی تری شراب میں آگ ؟
حرارتِ تپ ہجران سے جسم پہلکتا ہے ؛
لگی ہوئی ہے دل خانماں خراب میں آگ

بلبل مہوں متجھ میں فرق بہار و خزاں کا ہے
مہوں مبتلا ہوں آپ کا وہ مبتلاے گل
یارب برا ہو صر صر خانہ خراب کا
دو دن چمن میں چھن سے رہنے نہ پائے گل

زنداں میں لے جانے لگا ، دمِ ضم سے گھبرانے لگا ، سنبل مہوں اُلجھانے لگا اندھیر دکھلانے لگا
دل پیچ میں آنے لگا ، زنجیر پہنانے لگا ، سر پر بلا لانے لگا ، اُس کاکل پیچھاں کا خم
دوری مہوں تہری زارہوں ، باغ جہاں مہوں خارہوں ، مدت ہوئی بہمارہوں ، بے مونس و شمعوارہوں
آنکھوں سے دریا بارہوں ، مجبورہوں لاچارہوں ، اپزیرست سے بھزارہوں ، سولے مہوں گھبراتا ہے دم

صبا نہ چائیں گے اس سال لالہ زار میں ہم
 کہ اپنے دافوں سے گلشن ہوئے بہار میں ہم
 صبا کی طرح پتلیوں کی شکل 'بو کی (دھس'
 ہر ایک رنگ سے جاتے ہیں بزم یار میں ہم
 جفا کی خو ہے انہیں ہم وفا پہ مرتے ہیں :
 نہ اختیار میں رہے ہیں 'فہ اختیار میں ہم
 ہوا شباب میں برباد گلشن ہستی :
 برونگ ہوے چمن اُر گئے بہار میں ہم

دل ہے کہاں 'چکر ہے کہاں 'ہوش ہے کہاں ؟
 مدت گذر گئی کہ کسی کی خبر نہیں
 کرلیں گے درد سر کا ہم اپنے علاج بھی :
 دیوار آپ کی نہیں 'یا سنگ در نہیں ؟

بلے شہخ و زاہد بھی اُس بت کے بندے کہاں رام 'اللہ والے ' ہوئے ہیں ؟
 بتوں کے ہے جلوے میں شان الہی برہمن بھی اللہ والے ہوئے ہیں
 گناہوں کی ' " قہصر " ندامت ہے ہم کو :
 گریباں میں سر اپنا ڈالے ہوئے ہیں

وہ سلگے کیا : عجیب کمبخت انسانہ ہمارا ہے
 زباں پر آگھا تھوڑا سا ' باقی رہ گیا دل میں
 وہ بکھر حسن کہتا ہے کنارہ کش ہو وصلت سے
 کوئی دریا کبھی سوتا نہیں آفوس ساحل میں
 نگاہ شوخ اُن کی جب نکل آتی ہے پردے سے
 چھا اُس کو چھپا لیتی ہے اپنی آنکھ کے تل میں
 پے فریاد محشر میں نہ خالی ہاتھ جائیں گے
 دم جاں کا لہو بھر لیں گے اپنے شہشہ دل میں
 مری آنکھوں کے پردے دیکھتے کیا کام آتے ہیں
 چلے آتے ہیں وہ اِن کھڑکوں سے خانہ دل میں

دبا کر فہرکا پہلو، نہ بیٹھو اپنی محفل میں
 کہا مانو، مری جاں درد اُٹھتا ہے مرے دل میں
 خدا کی یاد کے پردے میں اک بت کی پرستش ہے
 چھوٹا دکھا ہے بے گناہ بھی میں نے کعبۂ دل میں

نقوشِ بوریہا ہوں، نقشِ پا ہوں، نقوشِ باطل ہیں
 ہم اپنی خاکساری سے مہمادینہ کے قابل ہیں
 لہو روئوں نہ کیوں کر طالبِ دیدار کی آنکھیں
 مقدر کی طرح سے پھر گئی ہیں یار کی آنکھیں

تہد میں بھی نہ چھٹا سلسلۂ خاموشی
 فل ہوا خانۂ زنجیر سے باہر کس دن؟
 آپ، فرمائے، کب تھے نہ بتوں کے بلندے؟
 کشور دل پہ حکومت دہی "قیصر" کس دن؟

اے جلوں، دستِ درازی کا تری خوف نہیں:
 نہ تو دامن ہوں کسی کا، نہ گریباں ہوں میں
 وعدۂ روزِ ازل نبھ نہ سکا غفلت سے:
 شرمِ عصیان سے نہ کیوں سر بے گریباں ہوں میں؟
 گل ہوا چاہتا ہے غم سے چراغِ ہستی:
 دم کا مہمان ترا، اے شبِ ہجران، ہوں میں

وقفہ نہیں ہے دم کا بقائے حباب میں
 کہا بے ثباتیاں ہیں جہانِ خراب میں
 اصرارِ مجھ کو، وصل سے، انکار ہے انہیں:
 کہا لطف ہو وہ ہیں سوال و جواب میں!

پڑے سوتے ہیں سب، احوالِ سوزِ دل نہیں کہتے:
 چراغِ زندگی خاموش ہے گورِ فریباں میں
 صہتِ دیر و حرم کی فکر میں برباد ہوئے ہو:
 چلو "قیصر" وہو تم خاکِ بن کر کوئے جانان میں

آپہی کعبہ مقصود تک کس طرح پہنچوں گا؟
شکستہ پاہوں، دور افتادہ ہوں، دم کردہ منزل ہوں

چبھے ہوں سر بسر تلروں میں اپنے خار نا کامی
تملنا میں تری، اے حسرت منزل، نریختے ہوں

تو ہی خوشبو آزا لائی ہے اُن کے باسی ہاروں کی؛
صبا، ہم تیرے ہی سر آج یہ سپہرا سمجھتے ہوں

ہم اپلی جان سے گذرے، تو یہ کھلا عقدہ :
چھپی ہوئی تھی اجل یار کے تغافل میں
خزاں کے آتے ہی گلشن کا رنگ اور ہوا :
نہ ملدلیب چمن میں، نہ رنگ ہے گل میں

تجہ کو بے فائدہ اُسود مسیختائی ہے ؛
کب دوا تیری وہ اے درد جگر، کرتے ہیں؟

کہلاتا نہیں ہے : وہ کسے حہراں بدائیں گے ؛
آئینہ بلندی کرتے ہیں اپنے مکان میں

ہمارے گھر کا پتلا پوچھتے ہوں لوگوں سے ؛
کچھ اب تو راہ پہ، اے دل، وہ آتے جاتے ہوں
میں تو اُن کے مقدر پہ رشک آتا ہے
جو اپنے طالع خفتہ جگاتے جاتے ہوں

خدا کے واسطے، اے جذب دل، اُنہیں تھہرا ؛
غضب ہوا کہ وہ قابو میں آ کے جاتے ہوں

ہے ہستی مہر و مہتاب لب دریا دم بھر کے لیے سر نہ اُٹھا بھر فلنا میں

دنہائے دوس کا رنگ نہیں ایک طور پر :
اِس باغ میں بہار کہیں ہے، کہیں نہیں
اک خواب ہو گیا ہے مجھے عالم شباب ؛
اب تھوکتا ہوں میں، وہ زمانہ کہیں نہیں

پہری دیوار تلے حشر بوسا رہتا ہے :
 میرے نالوں میں قہامت کا اثر ہے کہ نہیں ؟
 حضرت دل شب فرقت میں جو کھیراتے ہیں '
 منجھ سے کہتے ہیں کچھ اُمید سحر ہے کہ نہیں ؟

غرور حسن ہے ' اٹکھیلوں سے چلتے ہیں
 وہ مست ناز ہیں ' جام شراب میں آنکھیں

ساٹھا ' توڑ نہ شہشے کو ' نہ پھانے کو
 باب توبہ کی طرح کھول دے مہٹانے کو
 خون ناحق کا بیت شمع پہ ہوتا ہے گماں '
 انہیں عشق جلا دیتی ہے پروانے کو

تورا ہی تو ہے کعبہ و بتخانے میں جلوہ :
 توہی نظر آتا ہے میں جانا ہوں جدھر کو

قصہ عاشق و معشوق رہے گا تا حشر :
 جائیں گے پیہں خدا دست و گریہاں دونو

اک آن میں ادنیٰ کو بلادیتی ہے اعلیٰ :
 اللہ کی سرکار ہے ایسی کہ نہ پوچھو

واں آنے میں حجت ہے ' یہاں دم ہے لبوں پر :
 مشکل مری دشوار ہے ایسی کہ نہ پوچھو

ہکا کے اُلجھتے ہیں تمہارے لب شہریں :
 آپس میں یہ تکرار ہے ایسی کہ نہ پوچھو

دھچکھاں دامن دل تک کی آزا قالہں گے
 اے جنوں ' چاک تو کرنے دے گریہاں ہم کو

شباب ' ہال کا باندھا ہوا ' چلا اُٹے :
 رہے نہ نام کو پوری ' خضاب ایسا ہو

پرسشیں نے تمہاری دین و دنیا سے ہمیں کھویا :
 بگو ' کہتی ہے اب ساری خدائی برہمن ہم کو
 ہوئے چھوڑاں سحر کو دیکھ کر ہم شام غربت میں
 بہت روپا کھے ' یاد آگئی صبح وطن ہم کو

اے داغ عشق ' خانہ دل کو فروغ دے !
 وہ گھر ہے بے چراغ کہ جس گھر میں تو نہ ہو

اے یار ' چھوڑ اپنی تلون مزاجوں
 دشمن کی دوستی سے ہمارا عدو نہ ہو
 آیا ہے بھول کر ' تو ادب دے نہ ہاتھ سے
 زاہد ' یہ بتکدہ ہے ' یہاں قبلہ رو نہ ہو

طول ہے روز قیامت سے کہیں بڑھ کے ترا :
 کب ہے اُمید سحر ' اے شب ہجران ' مجھ کو ؟
 ضعف اب حد سے بڑھا ہے مدد ' اے جوش جلوں !
 طوق آہن ہے ہر اک تار گریبان مجھ کو

بھی فتنے جگاتی ہے ' بھی محشر اُٹھاتی ہے
 قیامت کے طریقے یاد ہوں رفتار جانان کو

بزم میں عالم حیرت ہے ترے جلوے سے :
 صف کی صف نقش بہ دیوار ہے ' اللہ اللہ !

ساقی سے ایک جام بھی پیا یا نہ بزم میں
 ہم پانی پانی ہو گئے اپنے بڑھا کے ہاتھ

کشا کش میں ہیں وہ بھی ' میں بھی مقتل میں تو بیٹھا ہوں
 مجھے ہے زخم دل کی فکر ' اُن کو اپنے پھکل کی

ہے رنگ مرا نوع دگر ' دیکھ تو لیتے !
 در پھس ہے جلت کا سفر ' دیکھ تو لیتے

اک روز تو آجاؤ ، بتو ، کعبہ دل میں ؛
 کھا نور ہے ، اللہ کا گھر دیکھ تو لہتے
 کعبہ ہے وہی ، دیر وہی ، دل بھی وہی ہے
 کہوں تھو کریں کھائے میں بشر ؟ دیکھ تو لہتے

شہادت تیرے ہاتھوں گر مہسر ہو ، تو بہتر ہے ؛
 ترے قدموں پہ اے قاتل مرا سر ہو ، تو بہتر ہے
 مجھے سونے نہیں دیتا لحد میں وعدہ فردا ؛
 آٹھی ، آج ہی سامان معشر ہو ، تو بہتر ہے
 حرم میں جائے خالق سے بتوں کا کچھ ہے شکو
 یہ ذکر خیر ہے ، کعبہ کے اندر ہو ، تو بہتر ہے
 نہیں اُٹھتی کسی صورت آٹھی سختی ہجران
 مرا بھی دل بہتوں کی طرح پتھر ہو ، تو بہتر ہے
 جسے دونوں جہاں کی حق نے بخشی ہے شہنشاہی
 اُسی در کے کدا ، تم چل کے ، ”قیصر“ ، ہو تو بہتر ہے

رہی نزدیک راہ وادی پر خار تھوڑی سی ؛
 مدد کر ، اے چلوں ، مہری دم رفتار تھوڑی سی
 بہت ہے اشتیاق جلوۂ دیدار آنکھوں کو
 دکھانا ہے تجلی روزن دیوار تھوڑی سی
 جہاں تک دیکھنا ہو ، دیکھ لے اُس ماہ قباہ کو
 رہی اب رات بھی ، اے حسرت دیدار تھوڑی سی

ابلا سے دم نکل جانا ، نکل جانا تہ خلیج ؛
 مگر جی بھر کے تجھ کو ، اے ستمگر ، دیکھ تو لہتے

بادۂ بیخودی پیدا جس نے ، پھر کسی کی اُسے خبر نہ ہوئی
 جان لی صدمۂ جدائی نے ؛ بے ترے زندگی بسر نہ ہوئی
 تیرے قامت کا ذکر گھر گھر ہے یہ قیامت کدھر کدھر نہ ہوئی ؟
 زندگی کت گئی شب غم میں ، نہ ہوئی آخریں سحر ، نہ ہوئی
 پے زباں ہے فقط یہ کہنے کو ؛ شمع خاموش رات بھر نہ ہوئی

ازل سے ہو گیا ابتر مرا مجموعۂ خاطر
مجھ تقدیر نے اُلجھا دیا زلف پریشاں سے
خدا کے واسطے جھٹکا نہ دے ' اے اُلمہدن ' اس کو؛
ہزاروں حسرتوں لیگی ہوئی تھیں تھری داماں سے

ملفوظ ہے یہ گردش لہل و نہار کو: فدوت کی رات وصل کے دن سے بڑی رہے
"فہصر" نہ جائے دل سے مجموم قم حسین؛
یہ فوج عمر بھر مجھ گھڑے کھڑی رہے

آنے والے ہیں وہ خبر کے لئے؛ بھگودی آج بھنگہ نہ کرے

وہ موحد ہوں کہ دن رات دعا کرتا ہوں:
کوئی دل میں نہ رہے میرے ' توہی تو ہو جائے
تمہاری زلف پہ سر اپنا جا کے وار آئے:
چوہا تھا سر پہ یہ سودا ' اے اُتار آئے

لائے گی انہیں کھینچ کے اک دن کشش دل
کب تک مرے ملنے سے وہ انکار کریں گے

اے صلم بدلے ہوئے تھری ' خدا کو بھولے
ملنے دکھانے کی کوئی حشر میں صورت نہ رہی
پا پہ زنجیر ہوئے ہم ' وہ ہوئے پردہ نشین
اُن سے اب کوئی ملاقات کی صورت نہ رہی

یہ جو سن پایا ہے: سنتے ہوں وہ کچھ حال فراق؛
لب پہ پہلو سے دل پُر اضطراب آنے کو ہے

زاہد کو پوچھ دیکھ کے رندوں نے یہ کہا:
کھدے ' مے طہور کی خواہش وہ کیا ہوئی؟

عدم کے نہ مسدود رستے رہے ' زمین کے تلے شہر بستے رہے
رقیبوں سے وہ روز ہلستے رہے مگر عمر بھر ہم ترستے رہے

یہ دعا ہے مری: جب نزع کا حکام آئے ،
نام ہو لب پہ ترا ، دل میں تری یاد رہے

جانب ملک عدم پہنچے میں چلنے کے لئے :
آئے میں جامۂ ہستی کے بدلنے کے لئے
اُن کے کوچے سے جو جانا ہے جلازہ میرا ،
حکم دیتے نہیں کاندھا بھی بدلنے کے لئے
نزع میں حسرت دیدار کا یہ مجمع ہے :
روح گہرائی ہے آنکھوں سے نکلنے کے لئے

ملنے موسیٰ تو میں کہتا (یہ سوال اچھا ہے) :
طور اچھا ہے ، کہ وہ برق جمال اچھا ہے ؟
دیکھنے ہی کے مسوکتا ہو تم ، اے جان جہاں ؛
دم ہے آنکھوں میں مرا ، کہتے ہو حال اچھا ہے
میں بھی راضی برضا ہوں ، نہ کروں گا شکوہ
آپ جو خوش ہیں اسی میں ، تو ملال اچھا ہے
کر رہا ہے روں باغ جاناں کے اوصاف
یہ بھی چلتا ہوا زاہد کا خیال اچھا ہے
مرض عشق مرا کام کہہ جانا ہے ؛
وہ بہر حال ، یہی کہتے ہیں حال اچھا ہے

قول حوروں کے شب معراج ، اُتراتے ہوئے ؛
خلد سے نکلے ، مبارک بادیاں گاتے ہوئے
اے نسیم گلشن طوبہ تصدق میں ترے
جائیں گے ہم باغ جنت میں ہوا کھاتے ہوئے
تیرے بندے کب رکیں گے خلد کو جاتے ہوئے ؟
خطا فلامی کا ، چلے جائیں گے دکھلاتے ہوئے
تورے گھر میں مجھ کو لے جانا تھا ، کہہ لے گئے :
خضر بھی کیا خوب بھلکے راہ بتلاتے ہوئے ؟
تجہ پہ کیا دھونی دماؤں ، اے مدیلے کی زمیں ؟
فرق آئے گا ادب میں پانو پہناتے ہوئے

طلوبہ کی سمت لے کے چل، اے جوشہیں جذوں،
الجبہا دے واں منجھ کسی صکرا کے خار سے

دے کے سر، لے در قاتل کی زموں تھوڑی سی
 ہمت اے دل، تجھ لازم ہے یہیں تھوڑی سی
 در جانان پہ جو سجدہ نہیں کرنے پاتے،
خاک مل لیتے ہیں بالائے جبوں تھوڑی سی

اُن کا فلسفہ بھی مسمیٰ مل کے بلا ہوتا ہے :
 برق گرتی ہے جو یہ ابر گھرا ہوتا ہے
 اوج اقبال پہ جب ہفت ہما ہوتا ہے
 تجھ پہ، اے بادشہ حسن، فدا ہوتا ہے
 کہا کہوں، حال شب ہجر میں کیا ہوتا ہے؟
 اے بتو، لب پہ برے نام خدا ہوتا ہے
 آدمی قبر میں کس طرح نہ غافل سوئے؟
 کیا کرے؟ منزل ہستی کا تھکا ہوتا ہے
 زندگی میں تو عبادت کو نہ آئے مہری؛
 آ کے اب قبر پہ روتے ہو، تو کیا ہوتا ہے؟
 ایک سا درد محبت کا ہے گھٹلا پڑھنا :
 کم بھی ہوتا ہے، تو کمبخت سوا ہوتا ہے
 سر مرا وقف دم تیغ قضا ہوتا ہے؛
 آج پہ سجدہ شکرانہ ادا ہوتا ہے

خاک ہوں گے، خاک سے ریگ رواں ہو جائیں گے
 اِس طرح محو تلاش رفتگان ہو جائیں گے
 ہیں نظر کے سامنے کونہیں کے جلوے یہاں؛
 وہ کہاں مہری نگاہوں سے نہاں ہو جائیں گے؟
 چار ہی دن کے لئے آؤ تین مہجور مہوں
 ورنہ ارکان عناصر رائگاں ہو جائیں گے

آزا لائی ہے تو خوشدھو کسی کے باسی ہاروں کی ؛
 یہ سہوا آج ' اے بادل بہاری ' تھوڑے ہی سر ہے
 مراد دل میں اُس بت کے ہے اُس کا دل مرے دل میں ؛
 کبھی پتھر میں شہشہ ہے ؛ کبھی شہشہ میں پتھر ہے
 بدن میں جان آجانی ہے دندان قدح کھ کے ؛
 ترا دیدار ' اے ساقی ' شرابِ روح پرور ہے

۷ وصال یار کے لے لو مزے ' سیدھا مقدر ہے ؛
 چھا بھی آج فرط شوق میں جامے سے باہر ہے
 خدا جانے وہ بت ملتا ہے وہاں بھی یا نہیں ملتا ؛
 چلا تو ہوں حرم سے دہر کو ' آگے مقدر ہے
 دلِ اہل صفا ہرگز مکدر ہو نہیں سکتا ؛
 ہر اک کو ایک سادیکہ : یہ آئینے کا جوہر ہے

سوئے دیا نہ وعدۂ فردا نے قبر میں ؛
 خوابِ عدم سے چونک پڑے ' اُٹھ کھڑے ہوئے
 ہر دم ہے اپنی ' منزل مقصود پر نظر ؛
 پہنچے عرب میں ہند سے ' جب اُٹھ کھڑے ہوئے
 مرقد سے سوئے حشر طلب جس گھڑی ہوئی
 دامن کو اپنے جہاز کے ہم اُٹھ کھڑے ہوئے
 ایک دن تو پائمال کر ' اے آفتابِ حسن ؛
 سائے کی طرح میں ترے در پر پڑے ہوئے
 اے آہ ' جلد شور قہامت دکھا مجھے ؛
 مدت گذر گئی ہے لحد میں پڑے ہوئے

دھ گئی واں بھی کیفہت خیال چشم ساقی میں ؛
 سر کوثر بھی لطف جام صہبا ہم اُٹھائیں گے
 چھپا رکھیں گے عشقِ مصطفیٰ رخسار کو دل میں ؛
 قہامت تک نہ اِس کعبے کا پردا ہم اُٹھائیں گے

نہیں معلوم ہوتی پردۂ غفلت میں انسان کو
قضا روز ازل سے زندگی کے ساتھ آئی ہے

زمین پہ لوت رہا میں، خم مار کم کیا ہے؟ بہت ہے، نشہ مے کا آثار کم کیا ہے؟
بتو، نہ روگ دو آنکھوں کو اشکباری کا، یہ ایک عارضۂ انتظار کم کیا ہے؟

ہے سہمہ بھگتی قسمت کا اکر طول یہی،
بڑھتے بڑھتے ترے گھسو کے برابر ہو گی
صلتے ہیں، آتے ہیں ملنے وہ گئے، اے ”قہصر“
لے مبارک ہو تجھے، عہد ترے گھر ہو گی

قائل، رہن نہ سیکھ قیامت کی چال کی، متی خراب ہوئی دل پائسال کی
میرا غبار بام پہ اک ماہ کے گہا : صورت زوال میں نظر آئی کمال کی
یوں مہکدے میں آج مجھے تازہ کام کر: دے سا قیہا، شراب کوئی پیار سال کی
طول شب فراق کی کچھ انتہا نہیں کیونکر امید ہو مجھے روز وصال کی

تم اپنا آج سرِ شام کھول دو جوڑا، درازی شب فرقت کی انتہا ہو جائے
وفا کی شرط قیامت کے روز ہی یہ کرو، تمہارے وعدۂ فردا کی انتہا ہو جائے
بتوں کے وعدۂ فردا کا اعتبار نہیں : خدا نکو استہ کل پھر مزاج کیا ہو جائے؟
دیکھو ہلالِ ابروے جانان، پیو شراب، اے بادۂ خوارو، عہد کا روزہ حرام ہے

ہوا ہے خلق، جہاں میں، ہر اک فنا کے لیے :
بقا فنا کے لیے ہے، فنا بقا کے لیے
میں ابتداءے محبت میں ہجر کے صدمے :
کچھ انتہا بھی ہے، ظالم، تری جفا کے لیے؟
میں کس امید پہ فرقت میں زندگی کا توں؟
کہ کوئی وقت معین نہیں قضا کے لیے
جو آئے ہو مرے گھر میں، تو کچھ ہنسو ہولو :
نہ بہت بلے ہوئے بھگتے رہو خدا کے لیے
نہ پایا دہر و حرم میں بھی آپ کو تلہا :
کہیں جگہ نہ ملی عرض مدعا کے لیے

سو رہے تھے وہ اندھیری گور میں ' شمع مدفنِ روئی ہے جن کے لیے

کوئی بیوقوف نہ ' پھر ان کے کوئی ' سکتے ہیں کوئی
وہ جب سے جلوہ گر ہیں ' انجمنِ کچھ اور کہتی ہے
رہی باقی نہ پروانوں کو اب امجدِ دلسوزی ؛
جلی ہے جب سے شمعِ انجمن ' کچھ اور کہتی ہے

یہاں ' واعظ ' نہ کر دنیا میں رہ کر حالِ عقبی کا ؛
یہاں کا اور عالم ہے ' وہاں کا اور عالم ہے

صدائے خلدۃ کُل سے تری فرقت میں روتا ہوں ' گلستانِ جہاں نظروں میں مہری بزمِ ماتم ہے

حرم میں یوں رہو تم گھر بلانے کے ؛ بتو ' کیا کارخانے ہیں خدا کے ؟
قیامت تک نہ مانوں گا میں ' اے جاں ' نہ وعدے کیجھہ روز جزا کے
زلفوں کے بلانے میں بسر کرتا ہے کوئی ' سرِ پھٹ کے کتنی ہے شبِ تار کسی کی

ناز کہتا ہے کہ چلو حشر برپا کیجھہ ' ہے قیامت آپ کی رفتار کس دن کے لیے ؟

نیکہتے ہو مجھ ؟ دیدار کی حسرت کیا ہے ؟
آج گھونگھٹ چو اُٹھا دو تو قباحت کیا ہے ؟

سے ستمگر ' نہ سہی دور کی آفت نہ سہی ' تہرا قامت تو ہے موجود ' قیامت نہ سہی

رنج کے ' درد کے ' دوری کے ' اُٹھائے صدمے
کون سی ہم نے محبت میں مصہبت نہ سہی ؟
اے جلوں ' چاک گر یہاں سے فرض ہے نچہ کو ؛
ہاتھ چلتے دھیں گے ' پانو میں طاقت نہ سہی

مٹہ پر نقابِ ذال کے آتے ہیں مہرے پاس
دیتے ہیں مجھ کو شربتِ دیدارِ جہاں کے

اپنی ناکامی سے برباد رہے دنیا میں ،
 خاک بھی ہو کے نہ ہم آپ کے در تک پہنچے
 آبِ دالے کی کشش ہو گئی دشمنِ آخر
 پھنس کے ہم دامِ مومن صیاد کے گھر تک پہنچے
 شکر صد شکر نمازوں میں کٹی واہِ حرم
 بوٹھٹھے اُٹھتے ہم اللہ کے گھر تک پہنچے

عدم کا راستہ کھونکر کتے کا ؟ گدے کا بوجھ ہے ، منزلِ کُری ہے
 صورتِ سمجہ ہم رہے پامال ، باغِ عالم میں سر اُٹھا نہ سکے
 خانہٴ دل میں آگِ فرقت کی وہ لٹا تو سکے ، بجھا نہ سکے
 دکھائے پائے نہ سر ترے در پر ؛ اپنی تقدیر آزما نہ سکے

ناتوانوں کی ترے خاک نہ ہوگی برباد
 چشمِ بد دور ہوئے نوجھے ترے دامنِ کھدے ؟
 کعبے میں ڈھونڈتے تھے کوئی ، کوئی دیر میں :
 اُس بت کی جستجو میں خدائی خراب ہے
 تا حشر خفتگانِ عدم چونکتے نہیں
 سچ ہے یہی کہ موت ، قیامت کا خواب ہے
 روزِ جزا کا در ہے ، نہ خوفِ حساب ہے ؛
 بد مست تھوڑے دور میں ہر شہخ و شاب ہے

ہوں دفنِ ترے در پہ ، تمنا تو یہی ہے ؛ آگے مری تقدیر ، ارادا تو یہی ہے
 افہارِ مرے خط کو پڑھیں ، واے مقتدر ، کھا کھجیے ، تقدیر کا لکھا تو یہی ہے

صلصل سے کام ہے ، نہ غرضِ دردِ سر سے ہے ؛
 اے بت ، چہیں کو لاگ ترے سلگِ در سے ہے
 اے خضر کس طریق سے دستہِ حرم کا لیں ؟
 کعبے کی راہ بھی تو اُسی بت کے گھر سے ہے

مرے گلہ تری رحمت سے بڑھ نہیں سکتے ،
 مرے کریم ، یہ پھر کیوں حساب ہوتا ہے ؟

قصیدہ

چشم جوہلی ملکہ وٹوریا

جو بہت خواب میں جاگا تو آگیا یہ خیال
 کہ لکھ قصیدہ وہ جس کچھان میں ہو نہ مثال
 ہو مدح ایسے شہنشاہ ہفت کشور کی
 ہے رشک مہر میں جس کا کوکب اقبال
 ملا یہ مژدہ مجھے جب کہ خضر قسمت سے
 تو میں نے اُس سے بصد آرزو کہا یہ سوال
 بتا بتا مجھے مدوح کا نشان بتا
 کہ تا میں گوہر مقصود سے ہوں مالا مال
 کہا یہ اُس نے شہنشاہ ملک و قیصر ہند
 ہوئی ہے نہر تاباں سے جس کی شان جلال
 اُسی شہنشہ عالی کا جشن جہلی ہے
 کہ جس کو تخت حکومت پہ ساتھ ہوں سال
 جوہوں یہ خروش خہری تابگوں دل پہنچی
 ہوئی زبان کو اس کام کی ، دہن میں مجال
 ہوئے مدد کے لئے فکر و ذہن بھی موجود
 فلک سے آ کے مضامین ہوئے شریک حال
 جو مجھ کو فضل خدا سے یہ مل گئے سامان
 آزا ہمارے طہمت بھی کھول کر پر و بال
 گذر گیا وہ ہلندی سے چرخ چارم کی
 زرا ترقی کو دیکھیں تو اِس کی اہل کمال
 لکھ وہ مطلع روشن کہ جس کے پرتو سے
 بنا ہے مہر جہاں تاب نرے کی مثال
 وہ سعد ہے ترا سایہ شہ ستودہ خصال
 پرتے گدا پتے تو پائے ہما کا وہ اقبال
 ہوئی ہے معبودوں سے ستفاوت حاتم
 ہے جود فاض سے ہر ایک شخص مالا مال

پڑے اگر نظر کھمبہا اگر تھری
 مثال کوہ طلا دم میں ہوں جہاں کے جمال
 مدد کرے تری جرأت اگر سر مہداں
 شکار شہر کا کرنے لگے جھپٹ کے فزال
 جلائے خرمین جان عدو کو اک دم میں
 جو برق تیغ شر دم گرے ہوقت جدال
 فلک بھی خم پرے تسلیم ہے ازل سے یوہوں
 جھکا رہا ہے سر بزدلی ادب سے ہلال
 جو دیکھ لے وہ پر نور کی وہ جلوہ گری
 فلک کو جادے یہ ہو جائے کہکشاں کا خہال
 ملے جو اوج تری درگہ معلیٰ سے
 ابھی ہوا یہ اُڑیں طائران بے پر و ہال
 کھسی ہے جب در پر نور پر جہیں اُس نے
 ملا ہے مہر کو تب اس طرح کا اوج کمال

قطعہ

زہ اجلال کہا رفعت ہے نقش پایے احمد کی
 کہ جس کے سنگ کو اسود کا ہم ہم سنگ پاتے ہیں
 شب معراج پہنچے پانویہ عرش معلیٰ پر
 یہی قرآن میں قوسین کے معلیٰ بتاتے ہیں
 ہوا رہے ہے اُس کا جس کے گھر میں جلوہ فرما ہوں
 سروں کے بل زیارت کو ملک اس گھر میں آتے ہیں
 جگہ دیتے ہیں اپنے خانہ دل میں اُنہیں ”قصر“
 خلیل اللہ سے کہدو کہ ہم کعبہ بناتے ہیں

سخن

غزل ”آتش“

رنگت دکھائی گلشن جنت مقام کی
 شہرت مصوروں میں ہوئی اُس کے کام کی

اے چشم دیکھ ھے یہ روہں انتظام کی
 تصویر کھینچی اُس کے رخ سرخ نام کی
 اک صفحے میں قلم نے گلستاں تمام کی
 پہنچ خموشی لبِ ناداں سے کیا گزند
 کرتے ہیں واہ واہ وہی ' میں جو حق پسند
 رہتا ہوں مدحت ملکوتی سے بہرہ مند
 گھر سے خدا کے ملتے میں مضمون مجھے بلند
 فکر رسا کلمہ ہے کعبے کے بام کی
 اِس تھوڑی سی بساط پہ کھوں کر نہ آئے رشک
 خلعت یہ ہاتھ آیا ہے اِس کو ہر اے رشک
 کھوں دامن کفن پہ نہ ہوں دافہائے رشک
 باغ جہاں میں گل کی قناعت ہے جاے رشک
 عمر دو روزہ ایک تھا میں تمام کی

مستحسب

غزل "اعظم"

آہ سوزاں بھی عجب طرفہ بلا ہوتی ہے
 وعد چلانا ہے جس وقت بہا ہوتی ہے
 واں پہنچتی ہے تو بجلی بھی ہوا ہوتی ہے
 خدوب آہ دل بیتاب رسا ہوتی ہے
 میں زمیں پر ہوں تو گردوں پہ صدا ہوتی ہے
 دودِ دل کا مرے اب قوس قزح سے ہے عبور
 اے مہ برج شرف وے بت فارتکو حور
 دولت عشق تو ہے گو میں نہیں فی مقدور
 جانور مانگ کے سوئے میں نہ مجھ کو مجبور
 کہکشاں تک تو مری آہ رسا ہوتی ہے

طرفہ انداز جفا ہے عرض لطف و کرم
 اور تو اور پھوک جانا ہے اِس بات پہ دم
 بڑھ گئے اُن کے کہیں حد سے سوا جور و ستم
 سرِ ندا کرنے کی جانباز سے لہتے ہیں قسم
 ہاتھ رکھواتے ہیں شمشیر ادا کے ارپر

ملت نقش کف پا مجھ کو بدایا تم نے خاک میں خاک ٹھہلوں کو ملا یا تم نے
 رحم کیا ہاتھ بھی مطابق نہ لگایا تم نے گر پڑا میں تو زمیں سے نہ اُٹھایا تم نے
 آسمان تو تیرا مہر وٹا کے اوپر

مخمس

غزل ثواب عبدالعزیز خاں

برق اندازیاں کرتی ہے سیاہ شب ہجر
 دیکھو گرم ہے کس درجہ نگاہ شب ہجر
 آنکس امروز ہوئی شام سیاہ شب ہجر
 چرخ پر آگ لگانے لگی آہ شب ہجر
 صورت مہر ہوا سوختہ ماہ شب ہجر
 نام کو بھی نظر آیا نہ کہیں نور ظہور
 نہ کہتی طول میں، رنگت میں بھی آیا نہ فتور
 سب یہ حالات گذرتے رہے آنکھوں کے حضور
 نہ درازی میں کسی کی نہ سیاہی میں قصور
 میں مرے دیدۂ بیدار گواہ شب ہجر
 مجھ کو ہی تاک لہا ہے مرا دم بھرتی ہے
 پانو کے بدلے رہ شوق میں سر دھرتی ہے
 مہرے ہی خانۂ تاریک پہ یہ مرتی ہے
 شام کے ہوتے ہی ہر روز کرم کرتی ہے
 گھر مرا ہی ہے مگر زہر نگاہ شب ہجر

آسی

عبدالعظیم ”آسی“ سکندریہ مصر بلخا کے رہنے والے ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے طبیعت شعر و سخن کی طرف مائل تھی۔ اعظم علی ”اعظم“ سے تلمذ تھا۔ پچاسی برس کی عمر پاکو ۱۳۳۵ھ میں وفات پائی۔ یہ اپنے وقت کے باکمال بزرگ، جہد عالم اور حاذق طہوب تھے۔ ایک مختصر دیوان ”عین المعارف“ ان کی وفات کے بعد اُسی سال مطبع سلطانی بنارس سے شائع ہوا ہے [۱]۔

کلام میں ”ناسخ“ اور ”شک“ کا تتبع کیا ہے۔ شوخی، بلند پروازی، بے ساختگی، مناسب و موزوں الفاظ کی تلاش پائی جاتی ہے [۲]۔ تغزل میں جاہلجا تصوف کا فلسفہ نظر آتا ہے۔ الفاظ کا اہتمام خوب کرتے ہیں۔ نعت اور مدح میں ایسے اوصاف بہان کئے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

غزلیات

تاب دیدار جو لائے مجھے وہ دل دینا
منہ قیامت میں دکھا سکے کے قابل دینا
شک خورشید جہاں تاب دیا دل مجھ کو
کوئی دلہر بھی اُسی دل کے مقابل دینا
درد کا کوئی محل ہی نہیں جب دل کے سوا
مجھ کو ہر عضو کے بدلے ہمہ تن دل دینا

[۱]—دیباچہ ”عین المعارف“ (دیوان آسی)۔ [۲]—خوشائے جاوید ج ۱، ص ۶۳، ۶۵۔

اُسی کے جلوے تھے لیکن وصال یار نہ تھا
 مہں اُس کے واسطے کس وقت بےقرار نہ تھا
 خرام جلوہ کے نقش قدم تھے لالہ و گل
 کچھ اور اِس کے سوا موسم بہار نہ تھا
 وفورِ بھنودی بزم مے نہ پوچھو 'رات
 کوئی بجز نگہ یار ہوشیار نہ تھا
 بعد کو کہول کے دیکھو تو اب کفن بھی نہیں
 کوئی لباس نہ تھا جو کہ مستعار نہ تھا

نقش پا کو کوئی اُتھا نہ سکا دیکھو— زورِ نازوانی کا
 غہر کا اب گذر نہیں دل تک عشق ہمدہ ہے پاسبانی کا
 نہ نمک عشق کا نہ زخمی دل کچھ نہ پایا مزا جوانی کا

ہمدرد کی مصیبت دیتی ہے کیا اذیت
 بلبل نے نالے کھینچے مہں زار زار رویا

مقدور مہں ہو یوں سب کچھ مگر تدبیر لازم ہے
 کہ اک قطرہ نہیں ملتا ہے بے تدبیر پانی کا

رتبہ پایا ہے مصیبت مہں تو اب دل کو سنبھال
 گر پڑے گا صدمت برق جو بہتاب ہوا
 جس نے دیکھا تجھے کھا خاک لگے آنکھ اُس کی
 دیدہ رخت دیوار بھی بے خواب ہوا
 شعر وہ نور سے لبریز پڑے "اُسی" نے
 حلقہ اہل سخن ہالہ بہتاب ہوا

پیشِ ناصح اور اتنی بےقراری کہا کہوں
 سامنے وہ آگہا وقت شکستہائی نہ تھا
 حدِ حیرت دیکھتا تھا اپنی 'آرائش کے ساتھ
 اُنہلے خالے مہں وہ معدو خود آرائی نہ تھا

بسانِ آسپا پائے توکل کو نہ لغزش دے
کہ ملتہ میں آڑے گا خود بخود تقدیر کا دانا

حالت دل خاک میں کہتا کہ تا ہلکام مرگ
آپ کا شکر جفا یا شکوۂ تقدیر تھا
عشق کیا کیا نسبتیں کرتا ہے پیدا حسن سے
زلف اگر شہزنگ تھی نالہ مرا شب گھر تھا
وہ مصور تھا کوئی، یا آپ کا حسن شباب؟
جس نے صورت دیکھ لی اک پیکر تصویر تھا

سجدۂ دو جو تمہارا نہ مہسر ہوتا وہی ہم ہوتے، وہی سر، وہی پتھر ہوتا
تم لہٹ جاتے کہیں آکے مرے پہلو سے نالہ شرمندہ نہ، سہمے سے نکل کر ہوتا
مرگھا ”آسی“ دلگھر بھی انا للہ
مرض عشق سے کوئی بھی تو جانہر ہوتا

ہم تو کرتے تھے کدھر حکم قضا نے بھینجا
ہارے، اے بت، ترے کوچے میں خدا نے بھینجا
موتی کسب کمالات وہاں کس کو ملا
وہی اچھے چلوں دنیا میں خدا نے بھینجا
”آسی“ نامہ سہمے، لائق دوزخ بھی نہ تھا
خلد میں اُلغت شاہ شہدا نے بھینجا

سلوک راہ وفا میں فلما کے طور میں اور
جو آپ مار کے تہشہ مرا تو جھک مارا
نہ پوچھو حالت دل اُس غریبی حسرت کی
دکھائی دے جسے ایک ایک قطرے میں دھارا
فراق ہمار کی طاقبت نہیں، وصال محال
کہ اُس کے ہوتے ہوئے ہم ہوں یہ کہاں یارا
اگر بیان حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ
تو شعر لغو ہے، ”آسی“ کلام نا کارا

چہری بھی تیز ظالم نے نہ کر لی ہوا بے رحم ہے قاتل ہمارا
نہ آنا ہم تمہارا دیکھ لوں گے جو نکلا جذب دل کامل ہمارا
معصوم جلوۂ بھونگ ہے دل کہیں پیدا نہیں ساحل ہمارا

ذوقِ فم و اندوہِ محبت کے میں صدقے

جو داغِ دیا تم نے وہ جانانہ دل تھا

ذلت اگر دلیلِ کمالاتِ عشق ہے ”آسی“ سے بڑھ کے کون ذلیل و زبوں ہوا

فانہ کس جس کے لئے ہر باغِ ہر گلشن میں تھا

خوب جو دیکھا وہی گلِ میرے پوراہن میں تھا

اس تمنا میں کہ شاید اُن کے دل تک راہ ہو

اس عداوت پر بھی میں برسوں دل دشمن میں تھا

بڑھ کے شہِ رگ سے کئے ملنے کو وہ آمادہ تھا

ہائے اے وہمِ فطرت اب تک میں درِ افتادہ تھا

غص میں اس طرح گریں حضرت موسیٰ سے نبی

جلوۂ طور ضرور آپ کی تصویر میں تھا

اے لحد، ہائے وہ بھتابی شبہائے فراق

آج آرام سے سونا مری تقدیر میں تھا

یتا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

اُس کا پتا کسی سے نہ پوچھو، بڑھے چلو فتلہ کسی گلی میں تو ہوا اُتھا ہوا

گلوہوں کے خیال نے گلشن بنا دیا سینہ کبھی مدینہ، کبھی کربلا ہوا

پلائی ہے ساقی نے کھسی شراب کہ جو رند تھا پارسا ہو گیا

نہ گئے اُس نگاہ سے کوئی اور افتاد کیا مصیبت کیا

نقدِ ہستی نثارِ یار کرے یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا

جاتے ہو جاؤ ہم بھی رخصت ہیں ہجر میں زندگی کی مدت کیا

”آسی“ مسیت کا کلام سلو

وعظ کیا، پند کیا، نصیحت کیا

سوے جلنت مجھ اِس کوچے سے کہوں لے جاتے
جان دی آپ پر ' اے جان ' گنہگار ہوا
ہمت اُس کی ہے ' دل اُس کا ہے ' جگر اُس کا ہے
جان کو بیچ کے تھرا جو خریدار ہوا

کچھ خبر کوچۂ جانناں کی بھی ہے ' اے واعظ '
عشق بازوں کی ہے جلنت تری جلنت کے سوا

سخت دشوار تھی معشوق سے عاشق کی شناخت
وصل کی رات نہ تھی ' تھی وہ طلسمات کی رات
کچھ ہمیں سمجھیں گے ' یا روز قیامت والے
جس طرح گنتی ہے اُمید ملاقات کی رات
اب تو پھولے نہ سسائیں گے کفن میں "اُسی"
ہے شب گور بھی اُس گل کی ملاقات کی رات

کوئی دشمن ہو "اُسی" یا مرا دوست میں سب کا دوست کھادشمن ہو کیا دوست
فریب عالم صورت سے بچتا نہیں کوئی کسی کا جز خدا دوست

وہاں پہنچ کے یہ کہنا ' صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رت ہے خدا کے نام کے بعد
وہاں بھی وعدۂ دیدار اِس طرح والا
کہ خاص لوگ طلب ہوں گے بارہام کے بعد
طلب تمام ہو ' مطلوب کی اگر حد ہو
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد
پہام پر کو روانہ کیا تو رشک آیا
نہ ہم کلام ہو اُس سے مرے کلام کے بعد

نہ چھانی مشیت خاک اپنی کسی نے ہے دل ہی میں وہ کوئے محمد

میں دل سے اُس شہیخ کا ہوں قائل کہ مہکدے میں پوئے تہجد
لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے معبود در شراب ہو کر

فراق میں اِس قدر نہ تڑپو ، ابھی تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
 بڑھے گی کچھ اور بے قراری وصال میں کامیاب ہو کر
 نگاہیں برجھی نہیں ہوں اُن کی ، کہ فمڑہ اُن کا نہیں ہے خلیجبر؟
 کہیں گے اقرار خون ” اُسی “ کہی تو وہ لاجواب ہو کر

نہ مہرے دل ، نہ جگر پر ، نہ دیدہ تر پر ،
 کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر
 گناہ گار ہوں میں ، واضو ، تمہیں کیا فکر ؟
 مرا معاملہ چھوڑو شفیق معشر پر

مرا سنبھلے نلاطم میں بکھر عشق کے ہے
 مزا تو جب ہے خدا آئے ناخدا ہو کر

حسن کی کم نہ ہوئی گرمی بازار ہلوز
 نقد جاں تک لیے پھرتے ہیں خریدار ہلوز

ایک عالم ہے کہ مقتل میں ہے قاتل کی طرف
 دھار خلیجبر کی فقط عاشق بھدل کی طرف
 ترک دنیا تو ہے دنیا طلبی سے آسان
 چھوڑ کر سہل ، عبت جاتے ہیں مشکل کی طرف

لب بلب ہے آج تجھ سے تھرے مستانے کی خاک
 خوب پہچان ، اے بت مے نوہں ، پھمانے کی خاک
 تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے ، او باد صبا ،
 یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

لہو اڑ گئے کبھی نہ کبھی غدل لب سے گالوں میں رنگ گل ہے تو بالوں میں ہوے گل
 اُس کے سوا تو قابل اُلغت کوئی نہیں بلبل نے کر دیا مجھے مشتاق روے گل
 سو گند بے دلوں کی تجھ ، اے خدائے دل ، دیا ہو کچھ مجھے تو نہ دینا سوائے دل
 تم اور دل میں ، اب تو کہیں گا پکار کر دل کی نہ ابتدا ہے نہ ہے انتہا ہے دل
 دھتے ہو دل میں ، واقف اسرار دل ہو تم پورا کرو ہنجر کہے مدعاے دل

اللہ دے نور سجدة شوق ! _____ مہ دو تم ہو تو مہ چہیں ہم

ادب آموز نکلا عجزِ راہِ آشنائی میں
 حباب آسا میں آنکھوں سے چلا بے دست و پائی میں
 برا کیوں مانہیں ہم جو بھیس چاہو شوق سے بدلو
 ہماری ہی نمائش ہے تمہاری خود نسائی میں
 دل درویش کی گردن ہے دور جام جمشیدی
 مذاق سلطنت پایا ترے در کی گدائی میں

رات اتنا کہہ کے پھر عاشق ترا غصہ کر گیا
 جب وہی آتے نہیں میں آپ میں آتا ہوں کہوں

جہوت کہوں کہتا ہے اے قاصد کہ وہ آتے نہیں
 وہ اگر آتے نہیں ہم آپ میں آتے ہیں کہوں
 یا تو اہل دل سے تھا ہر دم سوال درد دل
 اب ہجوم درد ہے دل میں تو گہراتے ہیں کہوں
 جاے حیرت ہے طلسم انکاد حسن و عشق
 اٹھتے جب دیکھتے ہیں ہم تجھے پاتے ہیں کہوں

بذوں بگولا وہ خاک ہوں میں ' بہوں لہو بن کے ہوں وہ پانی ؛
 جلاؤں قسمت وہ آگ ہوں میں ' آزاؤں خاک اپلی وہ ہوا ہوں

عرش ہے دل میں نہ مسجد ہے نہ کعبا دل میں
 سب سہی یار مگر گھر ہے تمہارا دل میں
 اے خیال رخ گلرنگ چلا آ دل میں
 پھول بوردے صفت شیشہ صہبا دل میں
 نہ توپ اس قدر اے عاشق مضطر ' نہ توپ
 دہقان اس کا نہ کہیں ہو تہ و بالا دل میں
 کار امروز بغدا مگذار ' اے " آسی "
 آج ہی چاہوے اندیشہ فردا دل میں

جو دیا تولے وہ سب چھپیں لیا عاشق سے
شکر اِس کا جو نہیں ہے تو شکایت بھی نہیں

ہے اُس میں اور ہم میں آفتاب و شمع کا عالم
وہ جب تک آئے آئے آپ دنیا سے گذر گئے ہیں

نہجہ زندگی کا عشق بازی کے سوا کیا ہے
حقیقت میں وہی جیتے ہیں بس 'تجہ پر جو مرتے ہیں
نہ وہ بہتابی دل ہے ' نہ وہ بے خوابیِ فرقت
لحد میں چھپیں سے عاشق پڑے آرام کرتے ہیں

دل بے مدعا پایا ' جو دولت ہو تو ایسی ہو
خدا سے پھر نہ کچھ مانگا ' قضاوت ہو تو ایسی ہو
فرشتے سر جھکائیں تھرے سجدے کو تواضع سے
سن او مٹی کے پتلے آدمیت ہو ' تو ایسی ہو
جہاں ملنے کی تھہرے مجھ سے ' میں بھی اے صدم گم ہوں
سوا تھہرے نہ ہو کوئی ' وہ خلوت ہو تو ایسی ہو

تمہیں کثرت سے نفرت ' اور مستو ذوق وحدت ہو
کچھ اِس سے اور بڑھ جاؤ تو وحدت ہو نہ کثرت ہو
نہ ستاری کو شرم آئے نہ غفاری کو غیرت ہو
قیامت میں تورا بندہ ترے آئے فضیحت ہو
مجھے ہر طرح کی خود بینیوں سے کر دے ہیکانہ
جو آئینہ بھی میں دیکھوں نمایاں تھری صورت ہو

تم نہیں کوئی ' تو سب میں نظر آتے کیوں ہو؟
سب تمہیں تم ہو تو پھر ملنے کو چہ ہاتھ کیوں ہو
جب نہیں غیر کو دیدار دکھانا مظلوم
صفت پردہ دار ہم کو اُتھاتے کیوں ہو

صاف دیکھا ہے کہ فلجیوں نے لہو نہو کا ہے موسم گل میں آہی کوئی دلگیر نہ ہو
جس کو دیکھا اُسے چھاتی سے لکائے دیکھا دل جسے کہتی ہے خلقت تری تصویر نہ ہو

تکڑے ہو کر جو ملی کڑھکن و مجنوں کو کہیں مہری ہی وہ پہو قی ہوئی نقد پر نہ ہو
 کار سازا ' یہی "آسی" کی دعا ہے تجھ سے :
 کام مہرا کوئی ملت کش تدبیر نہ ہو

کہاں دل اور کہاں اُس کے حسن کا جلوہ
 کہا ہے عشق نے کوزے میں بلند دریا کو
 ہوا کے رخ تو زرا آئے بیٹھ جا' او قیس '
 نسیم صبح نے چھوڑا ہے زلف لہائی کو
 کسی نہ جوش جنوں میں ' نہ پانو میں طاقت
 کوئی نہیں جو اُٹھا لائے کھر میں صبرا کو
 ہمارے حسن پرستی متعل طعن نہیں
 کہ چشم قیس سے دیکھا ہے روے لہلی کو

کوئی تو پی کے نکلے گا اُڑے گی کچھ تو بو ملنے سے
 در پھر مغاں پر مے پرستو ' چل کے بستر ہو
 تمہاری ہی بدولت ہے یہ ساری رندی و مستی
 وہ دن بھی ہو کہ تم ہو ہم ہوں دور جام کوثر ہو
 کبھی تم نے بھی چاہا ہے کسی کو لو تمہوں کہ دو
 نہ آؤ تم مرے پاس ' اور صبر آئے یہ کہوں کر ہو

کہتے ہیں تم کو جو دیکھا تو خدا کو دیکھا
 خواب میں بھی تو مہسر ہو یہ دولت مجھ کو
 کیا خبر تھی کہ اُنہیں کے ہیں کرشمے سارے
 شکوۂ غور کی ہے اُن سے ندامت مجھ کو

کہتے ہو کہ اور کو نہ چاہو معلوم ہوا کہ تم خدا ہو
 ہمت ہے تو راہ مستصر ہے اے نڈک طلب بس اُٹھ کھڑا ہو
 نکلا ہے کوئی تو اُن کے در سے یارب مہرا وہ مدعا ہو

✓ آخر اِکدن ' اے گل تر ' دیکھ ' مرجھانا پڑا اِس قدر بھی اپنے جامے سے کوئی باہر نہ ہو

سوتا ہے اُسی نیند میں فافل ابھی ”اُسی“ اپنے قدم پاک کی تھوکر سے جگادو
 جو کہیں ہم زباں سے ‘ ہو جائے ملنے میں لیکن کہوں زباں بھی ہو
 جو ہو سکے ‘ توجہ اس طرح زمانے میں کہ مر بھی جائے تو مرگ اُس کی زندگانی ہو

کہت گئی وصل میں ‘ فرقت میں بڑھی تھی چلتی
 رات عاشق کی کہی دن کے برابر نہ ہوئی

نہ سلتے تم جو دشمن کی زبانی بہت دلچسپ تھی مہدی کہانی
 کلا حاضر ‘ لیکن فائدہ کیا ؟ کہ ظالم تو ہے مہدی زندگانی
 تسلی کل کے وعدے پر غضب ہے غم عشق اور اُمید زندگانی
 کہاں پیوسف کہاں وہ روے زیبا خدا کو ہے مجھے صورت دکھانی
 یہ دونوں ایک ہی ترکش کے ہیں تھر محبت اور مرگ ناگہانی
 علم گر خلد میں بھی خلد ناز تصدیق ہے حیات جاودانی

خوف دوزخ ‘ نہ حرص جنت کی بے قرص میں نے تجھ سے اُلفت کی
 دیکھوے تو تمنا ہے دم کہ نہیں آزمائش ہے آج طاقت کی

گھر چھٹا ‘ شہر چھٹا ‘ کوچہ دلدار چھٹا کوہ و صحرایوں لہے پھرتی ہے وحشت دل کی
 جس سے پھوند کیا پائی شکست خاطر ہاے تقدیر ! یہ پھوٹی ہوئی قسمت دل کی
 راستہ چھوڑ دیا اُس نے ادھر کا ”اُسی“
 کہوں ہنی رہ گذر یار میں قربت دل کی

عہد شباب عہد وفائے نگار ہے کتنا ہی پائدار ہو ‘ نا پائدار ہے
 فانی ہے گردشِ فلکی بھی ہمارے ساتھ ساری ہمیں سے دشمنی روزگار ہے
 عشق و ہوس میں حسن کو تیرہ چاہوے مانو نہ مانو آگے تمہیں اختیار ہے
 ذوقِ ادا و ناز کہاں ‘ بے بخودی کہاں ؟ اب تو شراب وصل بھی کچھ ناکوار ہے
 مستی میں کوئی راز جو ”اُسی“ سے فاش ہو ‘
 معذور ہے ابھی کہ نہا بادۂ خوار ہے

اے شمع ‘ ایک شعلے نے تجھ کو کھا تمام
 ہر قسطِ سرشک یہاں شعلہ زار ہے

صہبخدم دم توڑتی تھی اور یہ کہتی تھی شمع
ہاے اِس محفل میں ہم آئے تھے رونے کے لئے

سارے عالم میں تیری خوشبو ہے اے مرے رشک گل ' کہاں تو ہے ؟
تجھ کو دیکھ ' پھر آپ میں رہ جائے ' دل پر اِندا کسی کو قابو ہے ؟
وہ رہرو ہوں میں صورت نکہت گل جسے خار رہ کا بھی کہتے نہ ہیں ہے
مگر سر کے بل چلتے ہیں اُس گلی میں نشان قدم کوئی پیدا نہیں ہے

دل کی قسمت سے ہیں کونہیں بھی کم
ہمت اب اِس میں خریدار کی ہے

پڑے ہیں صورت نقش قدم ' نہ چھوڑو ہمیں
ہم اور خاک میں مل جائیں گے اُٹھانے سے

ظاہر میں تو کچھ چوت نہیں کھائی ہے ایسی ؛
کہوں ہاتھ اُٹھا یا نہیں جانا ہے جگر سے ؟

بسان شمع سوز غم میں کھا اِخفاے گریہ ہو
گلے کا ہار ہو جانا ہے جو آنسو نکلتا ہے

بے حجابی یہ کہ ہر صورت میں جلوۂ آشکار
کھونکت اُس پر وہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

قتلہ زار حشر سب سمجھتے ہیں جس مہمان کو
دامن ناز نگہ کا گوشۂ چلبودہ ہے

حشر مہین ملے پھیر کر کھٹا کسی کا ہاے ہاے
" اُسی " گستاخ کا ہر جرم نا بخشودہ ہے

ترجہی نگاہ تیغ جدائی سے تیز ہے
عاشق کی مرگِ سہل وہ دشوار کیوں کرے

موسلی اگر ملیں ' تو یہ ہے پوچھنے کی بات :
دل ہی نہ ہو ' تو حسرت دیدار کہوں کرے

خوصلہ تیغ جنا کا رہ نہ جائے اُنہی خون نِمل کھچوے

کس کو دیکھا اُن کی صورت دیکھ کر جی میں آنا ہے کہ سجدا کھجھہ
 راہ تکتے تکتے ” اُسی “ چل بسا
 کہوں کسی سے آپ وعدا کھجھہ

مہری آنکھیں اور دیدار آپ کا ؟ یا قیامت اگلی، یا خواب ہے

حجاب گلج منگلی میں نہاں تھے آہی ہم کہاں آئے کہاں تھے
 جب اُس کوچے کی حاصل تھی گداؤں خداوند زمین و آسمان تھے
 اُتے ہم، اُتے گھا پردہ دوئی کا ہمارے اُس کے بس ہم درمیاں تھے
 نہ نگلی بات منہ سے صورت شمع زبان ایسی تھی گویا بے زباں تھے

وہ حال اِس طرح پوچھتے ہوں کہ اُن کو گویا خبر نہیں ہے
 تجاہل ایسا ہے درد دل سے کہ دل میں جس طرح گھر نہیں ہے
 نہ کہوں ہو دل کو یقین پھدا شہادت اُن کی ہے فہم اُن کا
 نقاب منہ پر نہیں ہے لیکن کسی کو تاب نظر نہیں ہے

حسن کی چارہ گری کا ہے ہوا شور مگر درد الفت کہیں محتاج دوا ہوتا ہے
 دشمن زیست جدائی ہے تو ملنا کیا ہے قطورہ دریا سے جو ملتا ہے فنا ہوتا ہے
 جس میں دیدار ہو وہ بھی ہے قیامت کوئی یہ قیامت ہے کہ وہ مجھ سے جدا ہوتا ہے

لذت اک گونہ چاہو مجھ کو کھا وہ دل بھی دکھا نہیں سکتے؟
 وعدہ بھی ہے تو ہے قیامت کا جس کو ہم آزما نہیں سکتے
 مانگتے موت کی دعا، لیکن ہاتھ دل سے اُٹھا نہیں سکتے

لائی عدم میں کشتی عمر رواں مجھے پہنچا دیا ہے بیٹھے بٹھائے کہاں مجھے؟
 حق پوچھو تو بات تھی انصاف کی یہی نام عذر لیا تو کہا بدزباں مجھے
 باغ جہاں میں طائر رنگ پریدہ ہوں خوف قدس ہے کچھ نہ فم آشیاں مجھے
 لائی عدم سے لے بھی چلی جانب عدم کیسی رفیق رہ ملی عمر رواں مجھے

کیا راہ طلب مرے بھی طے ہوتی ہے، ” اُسی “ ؟
 آسودگی حرف زیست؛ یہاں ہے، نہ وہاں ہے

مہری آنکھیں اور اُس کی خاک پا، تھرے کوچے کا اگر دھبر ملے

کچھ نہ پوچھو کہسی نفرت ہم سے ہے ہم ہوں جب تک وہ ہمیں کھونکر ملے؟
 ”آسی“ گریباں ملا معصوب سے
 گل سے شہلم جس طرح رو کر ملے

ہے صید فدا، جو ہدف تیر نظر ہے چہرو مرے سونے کو: نہ دل ہے، نہ جگر ہے
 ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ دنہا جسے کہتے ہوں عجب راہ گذر ہے
 وہ دور چلا جام مے بونکبری کا ہم وہ ہیں کہ وہ ہم: نہیں اتنی بھی خبر ہے
 پہنچو گئے اسی کوچے میں جس راہ سے جاؤ جو راہ ہے اُس کوچے کی بونکوف و خطر ہے
 ہم بزم ہو رقیب تو کہوں کر نہ چھوڑیے آہنگ ساز درد کہ نالا کہیں جسے
 پیمانہ نکاح سے آخر چھلک گیا سر جوش ذوق وصل، تمنا کہیں جسے

فہم نہ آجائے کہیں مانند موسیٰ، دیکھو!
 مہری آنکھوں سے نہ اپنا آپ جلو دیکھو
 آپ سے دیکھی نہیں جانی تھی مہری زندگی
 لیجھو موتا ہوں اب مرنا مہرا دیکھو
 رات ”آسی“ کہتے تھے اپنے سہو خانے کو گور
 جیتے جی مر جاتے ہوں عاشق: تماشا دیکھو

اجی دل میں اُتر آؤ کسی دن مری آنکھوں پر اپنے پانوں دھر کے
 لحد میں اب نہ چھوڑو، اے فرشتو! ستائے میں کسی کے عمر بھر کے
 بونگ شمع تہلدا بھی کر، اے صبح، جلائے میں کسی کے رات بھر کے

سب یہ جانیں کہ فزل ”آسی“ مہلوں کی ہے
 شعر جو نکلے وہ دامن کی طرح تو نکلے
 یہ کہ کہ کے اُس نے متایا مجھ کہ جو کہو گھا اُس نے پایا مجھ

مخمس

وقت آخر میں تیرے مضطر کے نہ جہا کوئی عاشقی کر کے
 اب بھی کہتا ہے آہیں بھر بھر کے کون جیتا ہے، اے صنم، مر کے
 آؤ تو دیکھ لوں نظر بھر کے

چھک کے لہلا وہ ہائے تیرے قدم تہ-و-کرے-ں مارنا ترا پیہم
 سر کے بھی اے صنم خدا کی قسم سر کو تکرانے ہیں لحد میں ہم
 لطف بھولے نہیں ہیں تھوکر کے

قصیدہ

مدح نواب کلب علی خاں والی رام پور

کہاں ترا کوئی بھر وجود میں ثانی حباب ' دیدۂ اہل نظر میں ہے پانی
 زوال صورت اشیا ہے صورت ہمہ اوست غرض کہ ہرچمدانی ہوئی ہمہ داننی
 نہ جان دیکے بھی ہم سمجھو اے نادانی کہ تھا وہی لب جاں بخش دشمن جانی
 تمہیں نہ دل میں چلے آؤ دیکھو سب حال نہیں ہے قابل اظہار درد پلہانی
 ہوا ' نہ برق ' نہ آندھی یہ سب مثال غلط مری نظر میں تو گھوڑا ترا ہے لا ثانی

رباعیات

فلنجے ' تجھے مہری دلنکاری کی قسم شبنم ' تجھے مہری اشکباری کی قسم
 کس گل کی نسیم صبح خوشبو لائی بہتاب ہے دل جناب باری کی قسم
 باز آؤ دم عشق کے اب بھرنے سے "آسی" کرتے نہیں ہو تم مرنے سے
 معجزوں کے لب گور سے آتی ہے صدا مرنا بہتر ہے عاشقی کرنے سے
 پوری میں فم شباب کیا کھانا ہے نادان ' وہ لطف اب کہاں آنا ہے ؟
 کہوں کر نہ بڑھاپے میں ہو چہرہ بے نور جب صبح ہوئی چراغ بجھ جانا ہے
 ہستی میں عدم سے کیا وہ لایا ہم کو آرام سے سوتے تھے ' جگایا ہم کو
 پھونکی نہیں روح قالب خاکی میں در پردہ یہ خاک میں ملایا ہم کو
 یا مجھ کو ترا حسن نہ بھایا ہوتا یا ہر رگ و پے میں تو سما یا ہوتا
 یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا ہر جزو بدن کو دل بدلایا ہوتا

۸۹۷۱۵۴۳۱۰۸

۲ - ۲

R R

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب ہمسکھا
لی گئی تھی، مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

۱۴

- ۱۳۔ جواہر سفین - جلد اول - مرتبہ مولانا گوئی چربا کوتی -
قیمت مجلد ۵ روپیہ ، فہر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۵۔ علم باغبانی - از مسٹر وصی اللہ خاں - ایل - اے - جی - قیمت
مجلد ۶ روپیہ ۸ آنہ ، فہر مجلد ۶ روپیہ -
- ۱۶۔ انقلاب روس - از کشن پرشاد کول - ممبر سرونگس آف انڈیا
سوسائٹی لکھنؤ - قیمت مجلد ۳ روپیہ ، فہر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۷۔ چند دکھلی پہیلاں - از محمد نعیم الرحمان ، ایم - اے ، استاد
عربی و فارسی ، الہ آباد یونیورسٹی - قیمت ۱ روپیہ ۴ آنہ -
- ۱۸۔ تاریخ فلسفہ سیاسیات - از محمد محبوب ، بی - اے (اکسن)
جامعہ ملیہ اسلامیہ - دہلی - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ
فہر مجلد ۴ روپیہ -
- ۱۹۔ انگریزی عہد مہن ہندوستان کے تمدن کی تاریخ - از علامہ
عبد اللہ یوسف علی صاحب - قیمت مجلد ۴ روپیہ ، فہر
مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ -
- ۲۰۔ فلسفہ جمال - از ریاض الحسن صاحب - ایم - اے - قیمت ۱ روپیہ -
- ۲۱۔ دیوان بہادر - از جلیل احمد قدوائی صاحب - ام - اے - قیمت
مجلد ۲ روپیہ ، فہر مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -
- ۲۲۔ نفسیات فاسدہ - از معتقد ولی الرحمان صاحب ، ایم - اے - قیمت
مجلد ۸ روپیہ ۸ آنہ ، فہر مجلد ۸ روپیہ -
- ۲۳۔ سلطان الہد محمد شاہ بن تغلق - از پروفیسر آفا مہدی
حسین ، ایم - اے ، پی - ایچ - قی - قی - لت - قیمت مجلد
۳ روپیہ ، فہر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -
- ۲۴۔ نظام شمسی - مترجمہ شہج جگو ، بی - اے ، ایل - قی
قیمت ۹ روپیہ -

ہندوستانی اکیڈمی یو - پی ، الہ آباد -

چیرٹر - غلام اصغر ، سٹی پریس ، الہ آباد - پبلشر - ڈاکٹر تارا چند ، ہندوستانی اکیڈمی - الہ آباد -

